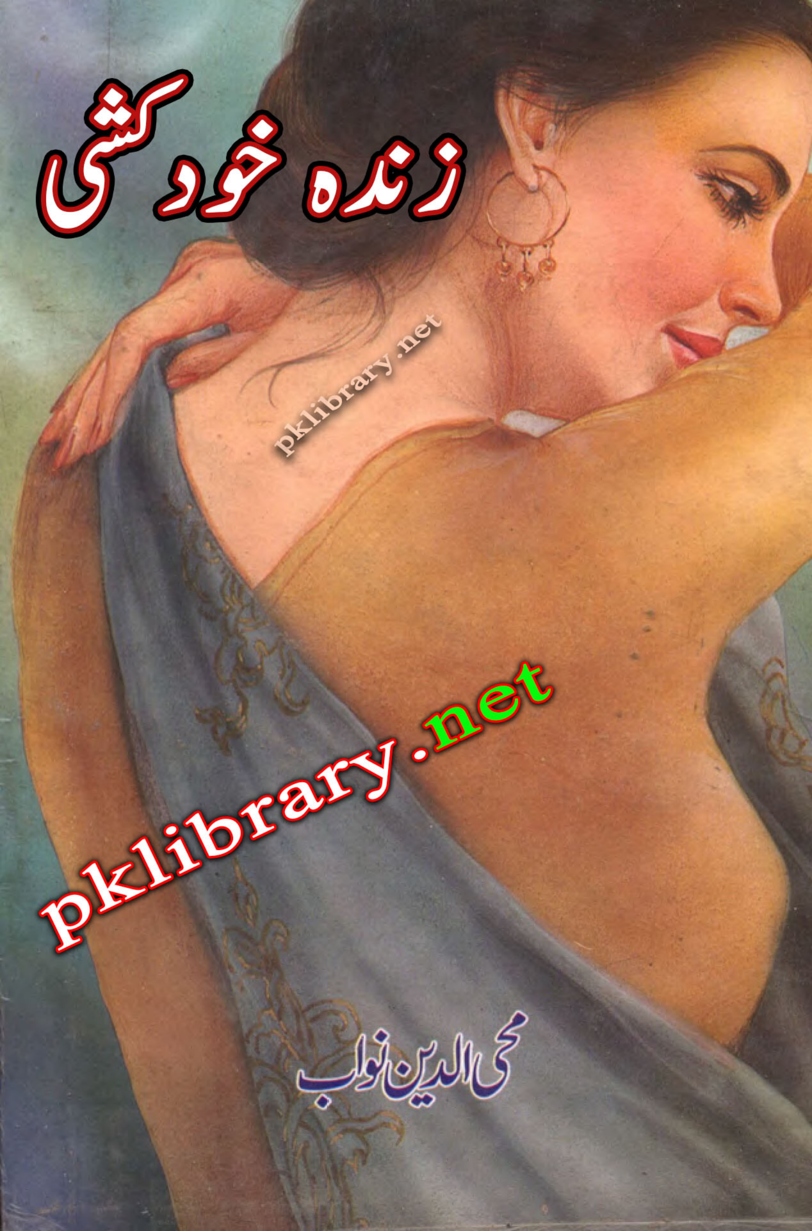
زندہ خودکشی
pklibrary.net
pklibrary.net
محی الدین نواب

www.pklibrary.net

زندہ خودکشی

کبھی حالات کے کسی ظالم موڑ پر
ایسی خودکشی بھی عمل میں آتی ہے۔
جس کے نتیجہ میں آدمی اپنے وجود کے سب سے
قیمتی حصے کو مار کر زندہ رہتا ہے۔
اس کہانی کا عنوان جس قدر فکر انگیز ہے
انجام اسی قدر چونکا دینے والا ہے۔

www.pklibrary.net

زندہ خودکشی

"شادی کی تقریب تھی اور اس خوشی میں ورائٹی پروگرام پیش کیا جا رہا تھا۔ ناچ گانا بھی تھا' لطیفہ گوئی بھی چٹکلے بھی چھوڑے جا رہے تھے لیکن ورائٹی پروگرام کی ایک خرابی یہ ہے کہ ہر شخص کو اس پروگرام کا ہر آئیٹم پسند نہیں آتا کیوں کہ ہر شخص دوسرے سے مختلف ہوتا ہے۔ ضروری نہیں کہ جو بات دوسرے کو پسند آئے' اس بات کو وہ بھی پسند کرے۔ یہی وجہ ہے کہ جب شہر کی سب سے مشہور طوائف نے مجرا شروع کیا تو بوڑھوں کے چہرے خوشی سے کھل گئے۔ ایک بزرگ نے واہ واہ کرتے ہوئے فرمایا۔

"وہ بھی کیا زمانہ تھا۔ طوائفوں کے کوٹھے تہذیب کا گہوارہ سمجھے جاتے تھے۔ شاہ زادے اور نواب زادے ان کے ہاں نشست و برخاست کے آداب سیکھنے جاتے تھے...."

درست ہے' جاتے ہوں گے۔ لیکن آج کل کے شریف زادے مجرا شروع ہوتے ہی ہوٹنگ کرنے لگے۔ انہیں یہ پرانی روش کیسے پسند آتی؟ کیونکہ موجودہ دور کے مزاج کے مطابق اب طوائفوں کی ضرورت نہیں رہی تھی۔ وہ خود اپنی گرل فرینڈز کے ساتھ رقص کرسکتے تھے۔ اسی لیے وہ آوازیں کس رہے تھے اور موسیقی کی تال پر مضحکہ اڑانے کے انداز میں سب باجماعت تالیاں بجا رہے تھے۔

www.pklibrary.net

بزرگوں نے ادھر ادھر پھیلے ہوئے نوجوانوں کو گھور کر دیکھا مگر ان کم بختوں کو ان کے جذبات کا احساس نہیں تھا۔ انہیں اتنا تو سوچنا چاہیے تھا کہ جوان بیٹے بیٹی والے عزت دار لوگ بدنامی کے ڈر سے بازار حسن میں نہیں جا سکتے تھے۔ ایک یہی شادی بیاہ کا موقع ہوتا ہے کہ وہ طوائفوں کو گھر بلا کر اپنی بوڑھی حسرتوں کو جوان کر لیتے ہیں۔ جب ان کے گھورنے کا نوجوانوں پر اثر نہ ہوا تو ایک بزرگ نے مصلحت اندیشی سے کام لیا اور پروگرام کو از سر نو اس طرح مرتب کیا کہ ایک بار مجرا ہو' دوسری بار نوجوان اپنا آئیٹم پیش کریں پھر تیسری بار مجرا ہو۔ دوسری بار نوجوان اپنا آئیٹم پیش کریں پھر تیسری بار مجرا ہو۔ اس کے بعد ترتیب وار نوجوانوں کی باری آئے۔ نوجوانوں نے خوش ہو کر تالیاں بجائیں۔ پھر اس ترتیب سے مجرا ختم ہوتے ہی جوان لڑکے اور لڑکیاں گٹار اور دف لے کر اسٹیج پر آ گئے۔ لڑکیوں کو دیکھتے ہی ان کے باپ محفل سے اٹھ کر جانے لگے۔ حالانکہ وہ جانتے تھے کہ ان کی بچیاں کلبوں میں جاتی ہیں لیکن کلبوں میں جا کر ڈانس کرنا اور بات ہے۔ وہاں طوائفیں نہیں جاتیں۔ اس لیے شریف زادیوں کو مجرے والی محفل میں ڈانس کا آئیٹم پیش نہیں کرنا چاہیے۔ اس طبقاتی سماج میں ہر ایک کے لیے الگ الگ کوٹھا مخصوص ہے۔ ان کی بھی کلاسز ہو گئی ہیں۔

اس نئی نسل کو کہاں تک بچے کر کے سمجھایا جائے؟ اور نئی نسل کو شکایت ہے کہ سمجھانے والے بزرگ خود نہیں سمجھتے چنانچہ رنگ میں بھنگ پڑنے لگا۔ نوجوانوں نے مجرے کا بائیکاٹ کیا اور بوڑھوں نے ان کے آئیٹم پر لعنت بھیجی۔ دولہا کے باپ نے سمجھایا کہ شادی کی خوشی میں کسی کی دل شکنی نہ ہو۔ بہتر یہ ہے کہ کسی بھی طرف سے رقص کا آئیٹم پیش نہ کیا جائے صرف گانے کی محفل ہو۔

دولہا کا باپ ان کا میزبان تھا لہٰذا میزبان کی بات مان لی گئی۔ اسٹیج پر یکے بعد دیگرے دو گانے والے آئے مگر وہ سامعین کو متاثر نہ کر سکے۔ ان کے بعد انور جمال اسٹیج پر آیا اس نے میر اور غالب کا کلام پیش کیا اس لیے بزرگوں نے بڑھ چڑھ کر داد دی۔ چونکہ اس کی گائیکی کا انداز نیا تھا اس لیے نوجوانوں نے بھی اسے پسند کیا۔ اس میں ایک خوبی اور تھی۔ وہ انچاس برس کا بوڑھا تھا لیکن جوان نظر آتا تھا۔ فکر اور پریشانی ایسی بیماریاں ہیں کہ آج کل کے نوجوانوں کے بال سفید ہو جاتے ہیں لیکن انور جمال کے سر اور

www.pklibrary.net

مونچھوں کے سیاہ بالوں کو دیکھ کر پتا چل جاتا تھا کہ وہ فارغ البال ہے۔ نہ کوئی فکر ہوگی' نہ وہ بوڑھا ہوگا۔ اس کی بوڑھی جوانی ایسی تھی کہ وہاں بوڑھے اور جوان سب ہی اسے پسند کر رہے تھے۔

شبانہ اسٹیج سے ذرا دور ادھر سے ادھر پھدکتی پھر رہی تھی۔ گہرے رنگ کی شلوار قمیص میں اس کی گوری اور گلابی رنگت کھل رہی تھی۔ وہ دوپٹے سے بے نیاز تھی۔ اس کے والدین کے خیال میں ابھی اس کی عمر دوپٹہ پہننے کی نہیں تھی۔ وہ ننھی چڑیا کی طرح پھدکتی ہوئی اسٹیج کے قریب آئی۔ اس وقت تمام لوگ انور جمال کی ایک غزل پر دل کھول کر داد دے رہے تھے۔ شبانہ دوڑتی ہوئی زنان خانے میں صفیہ باجی کے پاس آئی پھر ہانپتے ہوئے بولی۔

"باجی باجی! باہر دولہا بھائی کی خوب تعریف ہو رہی ہے سب لوگ تالیاں بجا رہے ہیں۔"

صفیہ اپنے شوہر کی تعریف سن کر مسکراتی ہوئی بولی۔

"ہاں۔ ان کی آواز یہاں تک آ رہی ہے مگر اس شور و غل میں پتہ نہیں چلتا کہ لوگ تعریف کر رہے ہیں یا آوازیں کس رہے ہیں۔"

"اب تو چل گیا نا باجی؟"

"ہاں۔ خدا کا شکر ہے۔"

"باجی! میں پھر دولہا بھائی کو دیکھ کر آتی ہوں۔"

وہ دوڑتی ہوئی پھر زنان خانے سے باہر چلی گئی۔ صفیہ کے پاس بیٹھی ہوئی ایک عورت نے پوچھا۔

"صفیہ! تمہاری تو کوئی بہن نہیں ہے پھر یہ لڑکی کس رشتے سے تمہارے میاں کو دولہا بھائی کہتی ہے۔"

صفیہ نے جواب دیا "یہ دور کے رشتے سے خالہ زاد بہن ہیں۔"

"تو پھر اس رشتے سے اسے سمجھاؤ کہ وہ دوپٹہ اوڑھ کر رہے۔ اس کے ماں باپ کہاں ہیں۔"

"ماں کچھ بیمار ہے۔ باپ دبئی میں ہے۔ میں اسے اپنے ساتھ لے آئی ہوں۔"

www.pklibrary.net

"تو دوپٹے میں لپیٹ کر لائیں....؟"

"آپ تو دوپٹے کے پیچھے پڑ گئی ہیں۔ ابھی وہ معصوم لڑکی ہے جب تک اس میں بچپنا ہے میں اس پر دوپٹے کا بوجھ ڈال کر اسے جوانی کا احساس نہیں دلاؤں گی کہ سینے پر دوپٹہ ڈالو' بدن کا حصہ چھپاؤ۔ دیکھو وہ حصہ جھلک رہا ہے۔ ایسے بیٹھو' ویسے نہ بیٹھو۔ مرد کی نظروں سے بچ کر رہو۔ تب انہیں اپنے بدن کی تبدیلیوں کی اہمیت کا پتا چل جاتا ہے۔ ہم غیر شعوری طور پر انہیں سمجھا دیتے ہیں کہ وہ اپنے آپ کو چھپا کر کس طرح مرد کی نظروں سے آنکھ مچولی کھیل سکتی ہیں۔"

"اونہہ' رہنے دو بی بی! مجھے نفسیات نہ پڑھاؤ...." وہ عورت دوسری طرف منہ پھیر کر بیٹھ گئی۔

شبانہ دوڑتی ہوئی اسٹیج کی طرف آئی۔ وہاں سامعین انور جمال کو پھر اسٹیج پر آنے کے لیے کہہ رہے تھے۔ اس کی غزلیں اور گائیکی کا انداز بہت پسند کیا جا رہا تھا۔ شبانہ نے اپنے قریب کھڑی ہوئی ایک چھوٹی سی بچی کے شانے پر ہاتھ رکھ کر بڑے غرور سے کہا۔

"جانتی ہو۔ یہ میرے دولہا بھائی ہیں میں تو روزانہ ان کا گانا سنتی ہوں۔"

ایسا کہتے وقت اس کے دل میں یہ حسرت پیدا ہوئی کہ کاش یہ سچ مچ دولہا بھائی ہوتے اور اسٹیج پر آکر ساری دنیا سے کہتے کہ شبانہ میری سالی ہے۔ سالی اگر گالی ہے تو بعض اوقات مرد کے ساتھ گالی کے رشتے سے وابستہ ہونے پر بھی فخر سا محسوس ہوتا ہے۔

وہ انور جمال کو دیکھتی رہی اور سوچتی رہی۔ انور جمال ایک بار پھر اسٹیج پر گانے کے لیے آیا۔ لیکن گانا شروع کرنے سے پہلے ہی خسروں کی ٹولی تالیاں بجاتی اور اپنے ناز و انداز دکھاتی قناتوں کے اندر محفل میں آ گئی۔ ایک ہیجڑے نے تالی کا تھپکا دے کر کہا۔

"اے حضور! شادی مبارک' ہم بھی سہرا گائیں گے۔"

دوسرے نے تالی کا تھپکا دیا۔ ٹھمکے لگائیں گے اور محفل لوٹ لیں گے۔"

انور جمال کا گانا سننے والوں نے زنخوں کو دیکھتے ہی برا سا منہ بنایا اور دھتکار کر بھگانے لگے۔ لیکن خسرے جہاں پہنچتے ہیں کمبل بن جاتے ہیں۔ ایک نے تالی بجا کر کہا۔

"اے ہم بھی عزت والے ہیں۔ تمہاری خوشی میں خوش ہونے آئے ہیں۔"

ایک ہیجڑے نے دوسرے ہیجڑے کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

www.pklibrary.net

"اے پھلجھڑی بیگم! یہ ایسے نہیں مانیں گے۔ آؤ ہم سب بہنیں مل کر دہائی دیں گے۔"

"اے دولھے کے ابا۔ ہائے ہائے
اے دولھے کی اماں۔ ہائے ہائے
تیرے بیٹے کا سہرا۔ ہائے ہائے
مرجھائے نہ کھل کے۔ ہائے ہائے
دولہ کی خوشیاں۔ ہائے ہائے
میری جان کی دشمن۔ ہائے ہائے

زنان خانہ سے دولھا کی ماں نے گھبرا کر دولھا کو کے باپ کو بلایا اور کہا۔
ان خسروں میں سدا سہاگن بھی ہوتی ہیں۔ ان کی ہائے میرے بچے پر پڑے گی۔
آپ فوراً ہی ان کی خوشی پوری کردیں۔"

عورتوں کو بہت جلدی دعاؤں کے ذریعے بلیک میل کیا جاسکتا ہے۔ خسروں نے اس طرح اپنی بات منوالی۔ انور جمال گیت سنائے بغیر اسٹیج سے اتر آیا تو شبانہ کو بہت دکھ پہنچا۔ اسے خسروں پر بہت غصہ آرہا تھا۔ غصے کے ساتھ وہ سوچ رہی تھی۔

"آخر یہ خسرے ہوتے کیا ہیں؟ اماں بی تو کہہ رہی تھیں کہ یہ مرد ہوتے ہیں نہ عورت' ادھر کے نہ ادھر کے ہوتے ہیں۔ ان پر خدا کی مار ہوتی ہے۔"

لیکن اماں بی نے یہ نہیں بتایا کہ جو مرد یا عورت نہیں ہوتے' وہ پھر کیا ہوتے ہیں؟ بزرگوں کی ایسی ادھوری باتیں کچے ذہن میں پکتی رہتی ہیں۔ آدھی رات کے بعد ناچ رنگ کی یہ محفل ختم ہوگئی۔ بہت سے مہمان رخصت ہوگئے۔ اس کے باوجود شادی کا گھر قریبی رشتے داروں سے بھرا ہوا تھا۔ جس کو جہاں جگہ مل رہی تھی وہ وہیں بستر لگا رہا تھا۔ صفیہ کو ایک چھوٹا سا کمرا مل گیا۔ انور جمال نے صفیہ کا ہاتھ تھام کر کہا۔

"چلو اچھا ہے۔ ہمیں علیحدہ کمرا مل گیا ہے۔"

صفیہ نے ہاتھ چھڑا کر کہا۔

"کچھ تو اپنی عمر کا خیال کریں۔ ہمیں یہ کمرا اپنی بیٹی اور داماد کو دینا چاہیے۔"

انور جمال اپنے اندر جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔ پھر چادر اور تکیہ لے کر برآمدے کی

www.pklibrary.net

طرف جاتے ہوئے بڑبڑانے لگا۔

"بیٹی داماد' نواسے نواسیاں ہو جانے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آدمی خواہ مخواہ بوڑھا بن جائے۔ کیا اس عمر میں سینے کے اندر دل نہیں ہوتا۔ ہوتا ہے کہ نہیں ہوتا۔"

اس سوال کا جواب دینے کے لیے صفیہ موجود نہیں تھی۔ وہ کمرے میں بیٹی داماد' نواسے نواسیوں کے آرام کے لیے بستر لگا رہی تھی۔ ایسے حالات میں یہ حقیقت معلوم ہوتی ہے کہ مرد اس عمر میں بھی صرف اپنے لیے بستر بچھاتا ہے اور عورت اپنی اولاد اور اولاد کی اولاد کے لیے رت جگا کرتی ہے۔

برآمدے میں نیم تاریکی تھی وہاں دو چار لوگ اور بھی تھے جو دور تک اپنے خراٹے نشر کر رہے تھے۔ بچوں کی تعداد زیادہ تھی۔ وہ کیڑے مکوڑوں کی طرح آڑے ترچھے ایک دوسرے سے لپٹے ہوئے سو رہے تھے۔ وہیں ایک طرف ننگے فرش پر شبانہ پڑی ہوئی تھی۔ اس نے انور جمال کو دیکھ کر کہا۔

"دولہا بھائی! آج تو آپ نے کمال کر دیا۔ سب لوگ آپ کی تعریفیں کر رہے تھے۔"

انور جمال نے سر اٹھا کر دیکھا۔ وہ دبلی پتلی سی لڑکی اپنا سر کھجاتے ہوئے بڑی معصومیت سے اس کی تعریف کر رہی تھی۔ اس نے پوچھا۔

"کیا تم غسل نہیں کرتیں؟ تمہارے سر میں جوئیں پڑ گئی ہیں۔ اچھی بچیوں کو صفائی کا خیال رکھنا چاہیے۔"

"میں تو ہر روز غسل کرتی ہوں مگر اماں جی کے سر کی جوئیں لگ جاتی ہیں۔ میں جس کے ساتھ سوتی ہوں' اسی کا روگ لگ جاتا ہے۔"

"مگر تم سوتی کب ہو؟ اتنی رات ہو گئی اور اب تک جاگ رہی ہو۔ دیکھو دوسرے بچے کیسے سو رہے ہیں۔ چلو تم بھی سو جاؤ۔"

اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ انور جمال دیوار کی طرف کروٹ بدل کر سونے کی کوشش کرنے لگا لیکن اس کے سر میں بھی کھجلی ہو رہی تھی۔ حالانکہ جوئیں نہیں تھیں لیکن بعض لوگوں کی کھوپڑی اندر سے کھجاتی ہے۔ وہ جس دیوار کی طرف منہ کیے ہوئے لیٹا تھا۔ اس دیوار کی اسکرین پر ایک طوائف مجرا پیش کر رہی تھی اور دنیا والے بوڑھوں پر کیچڑ اچھال رہے تھے۔ انہیں جوانی کی دہلیز پر دھکے دے کر باہر پھینک رہے تھے کہ اب

www.pklibrary.net

زندگی کی رنگینیوں میں ان کا حصہ نہیں ہے۔

یہ کیسا ظلم ہے؟ کیا انسان بوڑھا ہوجاتے ہی مرجاتا ہے؟ اگر بڑھاپے میں زندہ رہتا ہے تو پھر اس کے جسم کو مردہ کیوں سمجھ لیا جاتا ہے۔ وہ بے چینی سے کروٹ بدلنے لگا۔ دوسری کروٹ پر دیوار نہیں تھی۔ ادھر سے ٹھنڈی ہوائیں آرہی تھیں۔ کھجور کے اونچے درخت خاموش کھڑے تھے صرف ان کے پتے ادھرادھر جھوم رہے تھے۔ جیسے بڑھاپا خاموش رہتا ہے صرف آرزوؤں کے پتے ہوا دیتے رہتے ہیں۔ بوڑھے برگد کے درخت کی مضبوطی اور پائیداری بھی دیدہ بینا کو سمجھاتی ہے کہ بڑھاپے میں کتنا استحکام ہوتا ہے مگر دنیا سمجھنا ہی نہیں چاہتی۔

وہ پریشان ہو کر اٹھ بیٹھا۔ ہر رات یہی ہوتا ہے۔ صفیہ گہری نیند سوجاتی تھی اور وہ جاگتا رہتا تھا۔ اس کی نظریں بھٹکتی ہوئی شبانہ کی طرف گئیں۔ وہ اپنا سر کھجا رہی تھی انور جمال نے اپنی رسٹ واچ کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"ارے، ابھی تک تم نہیں سوئیں؟ تین بج رہے ہیں۔"

"اوں۔ ہونہہ۔ نیند نہیں آرہی ہے۔"

انور جمال نے برآمدے کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک دیکھا۔ سب سورہے تھے نیم تاریکی میں سونے والے صرف سائے کی طرح نظر آرہے تھے۔ وہ اپنی جگہ سے کھسکتا ہوا اس کے پاس آگیا پھر اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولا۔

"آؤ، میری بانہہ پر سر رکھو، میں سلا دیتا ہوں۔"

وہ بانہہ پر سر رکھتے ہوئے بولی۔

"آپ گانا گا کر......"

"پگلی! گانے کی آواز سن کر سونے والے اٹھ جائیں گے، پھر میری بانہہ پر تمہیں سر رکھے دیکھ کر وہ باتیں بنائیں گے۔"

اس لڑکی نے یہ سوچا ہی نہ تھا کہ بانہہ پر سر رکھنا بری بات ہے۔ انور جمال کی بات نے سر رکھنے کے اس انداز کو پراسرار بنا دیا۔ شبانہ نے آہستگی سے پوچھا۔

"باتیں کیوں بنائیں گے؟"

"آں؟" وہ اس سوال پر ہچکچانے لگا۔

www.pklibrary.net

"بتایئے نا؟ آپ تو اتنے اچھے ہیں۔ آپ ہی اتنی تعریفیں ہوتی ہیں۔ میرا تو جی چاہتا ہے اسی طرح سر رکھ کر آپ کے پاس لیٹی رہوں۔"

"اگر تمہارا جی چاہتا ہے تو میں تمہیں اسی طرح تھپک کر سلایا کروں گا مگر تم اپنی باجی سے کبھی نہ کہنا کہ....."

تجسس۔ کہ کیوں نہ کہنا؟

اسرار۔ کہ بندلبوں کے پیچھے کون سا راز چھپا رہے گا؟

سنسنی۔ کہ کسی بھید کی پرورش کرتے رہنے سے دماغ میں کیسی سنسناہٹ سی پیدا ہوتی ہے۔

شبانہ کچھ سمجھنے اور نہ سمجھنے اور ایک نئی دنیا کے دریافت ہونے کے تحیر میں گم رہی اور یہاں سے وہاں تک رات کی آغوش میں بے حیا سناٹا چھایا رہا۔

وہ گہری نیند سوتی رہی۔ اگر اپنا گھر ہوتا تو وہ صبح سے شام تک سوتی ہی رہ جاتی لیکن وہ شادی والے گھر کے برآمدے میں بچوں کے درمیان فرش پر پڑی تھی اس لیے ملازمہ نے اسے جھنجوڑ کر اٹھایا۔ بڑی دیر تک کسمسانے کے بعد اس کی آنکھ کھل گئی۔ پہلے چند لمحوں تک وہ سوچتی رہی کہ کہاں ہے؟ پھر اس نے جلدی سے سر اٹھا کر دیوار کی جانب دیکھا۔ اب وہاں انور جمال کا بستر نہیں تھا۔

وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر برآمدے کے زینے پر بیٹھ گئی۔ باہر لان میں ہریالی تھی۔ رنگ برنگے پھول کھلے ہوئے تھے۔ پھول تو رنگ برنگ ہوتے ہی ہیں لیکن شبانہ کو پہلی بار پھول کا الگ الگ رنگ اور الگ الگ حسن نظر آرہا تھا۔ لان کے سبزے کی ٹھنڈک آنکھوں میں اتر رہی تھی۔ سورج پچھلے تمام دنوں سے زیادہ روشن تھا اور آسمان کے سائے میں پرندے جیسے پہلی بار پرواز کر رہے تھے۔

یا تو دنیا پہلے اتنی خوب صورت نہیں تھی اور اگر تھی تو پھر اس خوب صورتی کو دل میں اتارنے کے لیے شبانہ کو نئی آنکھیں ملی تھیں۔ اس کے ساتھ ہی سوچ کا انداز بھی کچھ بدل گیا تھا۔ وہ ہر آہٹ پر چونک کر گزرنے والوں کو دیکھتی تھی مگر وہ نظر نہیں آرہا تھا۔ دماغ کے کسی گوشے میں یہ بات تھی کہ جتنی محبت سے اس نے اسے نیند کی آغوش میں پہنچایا تھا اتنے ہی پیار سے وہ اسے زینے پر سے اٹھانے بھی آئے گا۔

www.pklibrary.net

مگر وہ نہیں آیا۔ رات گزرتی ہے تو خواب بھی گزر جاتے ہیں۔ خواب میں آنے والے بھی گزر جاتے ہیں۔ شبانہ کو ڈر لگا کہ پچھلی شب بیداری کہیں خواب نہ ہو۔ وہ بے قراری سے اٹھ کر دوڑتی ہوئی پاس والے کمرے میں گئی۔ وہاں انور جمال کی بیٹی اپنے بچوں کو کپڑے پہنا رہی تھی۔ اس نے پوچھا۔

"دولہا بھائی کہاں ہیں؟"

"امی اور ابو اس کمرے میں ہیں؟"

وہ اس کمرے میں دوڑتی ہوئی گئی پھر دروازے پر ٹھٹک گئی۔ اس کی صفیہ باجی، انور جمال کی قمیض میں بٹن لگا رہی تھیں۔ ایک ساعت کے لیے منظر بدل گیا۔ شبانہ نے دیکھا کہ وہ انور جمال کی قمیص کے بٹن لگا رہی ہے۔ دوسرے لمحے صفیہ چونک کر اپنے شوہر سے دور ہو گئی پھر جھینپتے ہوئے بولی۔

"ارے شبانہ! وہاں کیوں کھڑی ہو؟ آجاؤ۔"

انور جمال نے فوراً ہی دروازے کی طرف یوں دیکھا جیسے شبانہ شکایت کرنے آئی ہو۔ لیکن اس کے چہرے پر وہی بچوں کی سی معصومیت تھی۔ بال بکھرے ہوئے تھے۔ وہ ایسے چور بدن کی لڑکی تھی کہ ڈھیلے ڈھالے کپڑوں میں سب ہی اسے بچی سمجھتے تھے۔ انور جمال اس کی ہمت افزائی کے لیے مسکرایا۔ وہ بھی بے اختیار مسکرانے لگی۔ صفیہ نے کہا۔

"تم شاید ابھی تک سو رہی تھیں۔ جاؤ جلدی سے منہ ہاتھ دھو کر آؤ اور لباس بدل لو۔ ہم ناشتہ کرنے کے بعد اپنے گھر جائیں گے۔"

وہ باتھ روم نہیں جانا چاہتی تھی، دوسرے لفظوں میں انور کو دیکھتے رہنا چاہتی تھی۔ وہ اپنا سر کھجاتے ہوئے بولی۔

"باجی! یہاں تو منجن نہیں ہو گا۔ میں کلیاں کر کے آجاتی ہوں۔"

"اری آئینہ میں اپنا حلیہ تو دیکھ۔ معلوم ہوتا ہے کہ کسی نے رات بھر خوب پٹائی کی ہے۔ انور جمال نے چونک کر صفیہ کو دیکھا وہ اپنی دھن میں کہتی جا رہی تھی۔

"جو لڑکیاں صاف ستھری نہیں رہتیں، شیطان رات کو آکر انہیں خوب مارتا ہے۔ تمہارا بھی حلیہ ایسا ہی ہے۔ اب جاؤ یہاں سے...."

www.pklibrary.net

انور جمال نے ذرا گھوم کر آئینے میں دیکھا۔ وہ کسی پہلو سے شیطان نظر نہیں آ رہا تھا۔ کہتے ہیں کہ شیطان کا کوئی مخصوص چہرہ نہیں ہے۔ اس کا چہرہ بے شمار ذروں میں بکھر کر انسانوں میں تقسیم ہو گیا ہے۔ اسی لیے وہ آئینے میں خود کو نہیں دیکھ سکتا۔..."

انور نے اپنی بیوی کی زبان بند کرنے کے لیے شبانہ سے کہا۔

مجھے بھی ایسی بچیاں پسند ہیں جو روزانہ غسل کرتی ہیں۔ اپنے سر میں جوئیں نہیں پالتیں۔ بالوں میں کنگھی کرتی ہیں اور چہرے پر کریم پاؤڈر لگا کر گڑیا جیسی بن جاتی ہیں۔"

اس کی باتوں کا خاطر خواہ اثر ہوا۔ وہ گڑیا بننے کے لیے باتھ روم میں چلی گئی۔

صفیہ نے خوش ہو کر کہا۔

"یہ لڑکی آپ کی بڑی عزت کرتی ہے۔ دیکھئے کس طرح آپ کی بات مان کر چلی گئی۔"

"زندگی کے بعض مقامات پر مجبوراً بزرگ بننا پڑتا ہے۔" اس نے بزرگانہ انداز میں کہا۔

"ابھی بچی ہے۔ تم شیطان کا نام لے کر اسے ڈرا رہی تھیں۔ میں نے پیار سے سمجھایا تو چپ چاپ چلی گئی۔"

آدھے گھنٹے بعد جب وہ میاں بیوی اپنی بیٹی داماد اور نواسے نواسیوں کے ساتھ ناشتہ کرنے بیٹھے تو وہ لباس بدل کر گیلے بالوں میں کنگھی کرتے ہوئے باتھ روم سے باہر آ گئی۔ غسل کرنے کے بعد اس کی گوری رنگت گلابی گلابی سی ہو گئی تھی۔ کالی کالی آنکھیں کاجل کی کٹوریاں لگ رہی تھیں۔ لبوں پر قدرتی گلاب کھلے ہوئے تھے۔ بالوں سے پانی ٹپک کر ہونٹوں تک آیا تو شبنم کے بوجھ سے گلاب کی پتیاں کانپنے لگیں۔

صفیہ نے کہا "آؤ شبانہ جلدی سے ناشتا کر لو۔"

انور جمال کے ایک طرف صفیہ بیٹھی ہوئی تھی۔ دوسری طرف اس کی بیٹی صائمہ تھی۔ شبانہ نے ایک بار پلک جھپک کر دیکھا تو صفیہ کی جگہ وہ بیٹھی ہوئی تھی۔ انور جمال اپنے ہاتھ سے اسے لقمہ بنا کر کھلا رہا تھا۔ دوسری بار پلک جھپکتے ہی صفیہ اس کی جگہ چھین کر پھر انور جمال کے پاس بیٹھ گئی۔ وہ منہ پھیر کر کھڑی ہو گئی۔ صفیہ نے پوچھا۔

"کیا ہوا ناشتہ نہیں کرو گی؟"

www.pklibrary.net

"نہیں مجھے بھوک نہیں ہے۔"

"عجیب لڑکی ہے۔ کھانے کے وقت نہیں کھاتی۔ اسی لیے تو بدن نہیں پکڑتی۔ چل ادھر آ میرے پاس بیٹھ۔ میں تجھے کھلاؤں گی۔"

وہ پاس آ کر بولی "میں دولہا بھائی کے پاس بیٹھوں گی۔"

صفیہ نے ہنستے ہوئے اسے اپنے دولہا بھائی کے پاس جگہ دے دی۔ ایک عورت ناوانستگی میں کتنی بڑی قربانی دے دیتی ہے۔ یہ بات صفیہ نہیں سمجھتی تھی۔ اس لیے کہ اس کے سامنے جتنے رشتے تھے' وہ صرف پاکیزہ محبت اور عقیدت کے رشتے تھے۔ شوہر' بیٹی' داماد' نواسے اور نواسیاں حتیٰ کہ شبانہ جس سے خون کا رشتہ نہیں تھا لیکن اپنی بیٹی صائمہ کے سامنے وہ بھی بیٹی جیسی تھی۔

انور جمال کی سوچ کچھ اور تھی۔ اگر انسان اتنی بڑی دنیا میں قدم قدم پر مقدس رشتے بناتا جائے تو تفریحی رشتے کے لیے کوئی نہ رہے گا۔ انسان اپنی مرضی سے لباس بدلتا ہے' زبان کے چٹخارے بدلتا ہے۔ اپنے اندر اور اپنے باہر تبدیلیوں کے بغیر نہیں رہ سکتا۔ دروازے کھڑکیوں کے پردے' صوفے' گلدان کے پھول اور زندگی گزارنے کے اصول بدلتا رہتا ہے۔ پھر خواہشات کا تبادلہ کیوں نہیں ہو سکتا؟

بے شک ایک عمدہ مثالی معاشرے کی تکمیل کے لیے اخلاقیات کا پاس رکھنا چاہیے لیکن کوئی ایسی خواہش جو اچانک ہی شب خون مارتی ہے۔ اس کے حملے سے ایک شریف آدمی کیسے بچ سکتا ہے۔ اگر وہ ٹھوکر کھا جاتا ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ اندھا ہے۔ اس ٹھوکر کے بعد وہ سنبھلنا چاہتا ہے۔ انور جمال نے بھی جب اپنے ایک طرف اپنی بیٹی صائمہ کو اور دوسری طرف شبانہ کو دیکھا تو اسے اوندھے منہ گرنے کا احساس ہو گیا۔

اس نے سوچا۔ ایسی خواہش مذہب اور قانون کے مطابق پوری ہو سکتی ہے۔ وہ دوسری شادی کر سکتا ہے لیکن کیسے کر سکتا ہے؟

شبانہ اور اس کی عمر میں زمین و آسمان کا فاصلہ تھا۔ شبانہ نے ابھی پندرہ برس کی زندگی دیکھی تھی اور وہ آدھی صدی گزارنے والا تھا۔ وہ صائمہ سے بھی دس برس چھوٹی تھی۔ یہ حساب کرتے ہی اسے پسینہ آنے لگا۔ اس نے پریشان ہو کر شبانہ کو دیکھا۔ وہ ناشتے کے دوران اس سے لگی بیٹھی تھی۔ بچہ گود کی گرمی تلاش کرتا ہے یا پھر جس سے

www.pklibrary.net

مانوس ہو جاتا ہے' اسی سے چپک کر رہتا ہے۔ بعض اوقات مانوس ہونے کے لیے مختصر سی شناسائی کافی ہوتی ہے۔ انور جمال گھبرا کر اس کے پاس سے اٹھ گیا۔ صفیہ نے کہا۔

"آپ نے تو کچھ کھایا ہی نہیں۔ یہ چائے تو پی لیں۔"

"نہیں بہت گرمی ہے۔ چائے نہیں پیئوں گا۔ یوں بھی دیر ہو رہی ہے۔ میں ٹیکسی لے کر آتا ہوں۔"

چھوٹی نواسی نے ماں کی گود سے اٹھتے ہوئے کہا۔

"نانا میں بھی نکلوں گی۔ (نانا میں بھی چلوں گی)"

انور جمال نے اسے پیار سے پچکارتے ہوئے کہا۔

"باہر دھوپ ہو رہی ہے۔ میں ٹیکسی لے کر آتا ہوں پھر بیٹھ کے چلنا۔"

صفیہ نے کہا "لے جائیے نا۔ بچی ضد کر رہی ہے۔"

شبانہ نے اپنی جگہ سے فوراً ہی اٹھ کر بچی گود میں لیتے ہوئے انور جمال سے کہا۔

"میں اسے گود میں لے کر چلتی ہوں۔ آپ کو تکلیف نہیں ہوگی۔"

اس سے پہلے وہ کوئی اعتراض کرتا۔ وہ بچی کو لے کر کمرے سے باہر چلی گئی۔ پہلے کبھی وہ اس طرح آگے نہیں جاتی تھی۔ کوئی مصیبت جو ہمارے پیچھے کہیں ہوتی ہے اور آگے آنے کی جرات نہیں کرتی' اسے ہم خود اپنے آگے کر دیتے ہیں۔ وہ سوچتا ہوا باہر آیا۔ شبانہ کوٹھی کے احاطے سے باہر بچی کو گود میں لیے کھڑی تھی اور اسے دور سے آتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔ یوں تو وہ پہلے بھی اسے دیکھتی تھی۔ اب یہ فرق پیدا ہو گیا تھا کہ وہ اپنی چیز نظر آتا تھا۔ دل کہتا تھا کہ صرف اسے دیکھتی رہے اور اس کے وجود سے وہ خوشی اور خوشبو تلاش کرتی رہے جسے اس نے ایک بار پایا تھا اور بار بار پانے کی بے چینی تھی۔

وہ قریب آ کر بولا۔

"شبانہ تمہیں نہیں آنا چاہیے۔ تمہاری باجی کیا سوچیں گی؟"

وہ خاموش نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔ اس کے چہرے پر وہی بچوں کی سی معصومیت تھی اور آنکھوں سے ایسا مطالبہ جھلک رہا تھا جیسے اپنا کھلونا مانگ رہی ہو۔ وہ جلدی سے آگے بڑھ گیا۔ غلطی اس کی اپنی تھی۔ اسے خود سوچنا چاہیے تھا کہ صفیہ کیا سوچے گی اور دنیا کیا کہے گی؟

www.pklibrary.net

ذرا دور چل کر وہ سڑک کے کنارے کھڑا ہو گیا۔ آتی جاتی گاڑیاں تیزی سے گزر رہی تھیں۔ کوئی خالی ٹیکسی نظر نہیں آ رہی تھی۔ شبانہ اس کے پاس آ کر کھڑی ہو گئی۔ بچی کو دھوپ لگ رہی تھی۔ انور جمال نے بچی کو اپنے بازوؤں میں لے کر سینے سے لگا لیا۔

"اوں ہوں ہوں...." شبانہ کے منہ سے آواز نکلی۔ وہ کبھی بچی کو اور کبھی اس کے چٹان جیسے پھیلے ہوئے سینے کو دیکھ کر بے زبان اداؤں سے کہنے لگی "میں بھی تو بچی ہوں۔ مجھے سینے میں چھپا لو۔"

انور جمال کو بے اختیار اس پر پیار آنے لگا۔ اس نے ایک ہاتھ اس کے شانے پر رکھ کر کہا۔

"شبانہ اب تم بچی نہیں ہو۔"

"کیوں نہیں ہوں۔ اماں بی کہتی ہیں۔ محلے والے کہتے ہیں کہ میں بچی ہوں۔"

"اچھا ٹھیک ہے۔ تمہیں ابھی پڑھنا اور کھیلنا چاہیے۔"

"آپ میرے ساتھ کھیلیں گے نا؟"

"آں۔" وہ کوئی جواب نہ دے سکا۔ ایک خالی ٹیکسی کو ہاتھ اٹھا کر رکنے کا اشارہ کرنے لگا۔ جب وہ قریب آ کر رک گئی تو شبانہ اس کے ساتھ پچھلی سیٹ پر بیٹھتے ہوئے بولی۔

"آپ میرے ساتھ بیٹھے رہیں گے نا؟"

"کیسی بات کرتی ہو' یہاں پچھلی سیٹ پر تم' تمہاری باجی اور صائمہ اور توفیق میاں بیٹھیں گے۔ میں اگلی سیٹ پر بیٹھوں گا۔"

"اچھا تو آپ باجی سے کہیں کہ مجھے اپنے گھر لے چلیں۔"

"نہیں' تمہاری اماں بی کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ تم اپنے گھر چلی جانا۔"

"مگر آپ نے تو کہا تھا کہ مجھے نیند نہیں آئے گی تو آپ سلا دیا کریں گے۔"

وہ ایک ہاتھ کی آستین سے پسینہ پونچھتے ہوئے بولا۔

"اچھی بچیاں ضد نہیں کرتیں۔ وقت پر خود ہی سو جاتی ہیں۔"

وہ ضد کرتی رہی۔ وہ سمجھاتا رہا اور خود سمجھتا رہا کہ ٹھوکر کھا کر انسان سنبھلتا ضرور ہے مگر ٹھوکر سے لگی ہوئی چوٹ سنبھلنے کے بعد بھی تکلیف پہنچاتی ہے۔ کبھی اس کا زخم

www.pklibrary.net

بھر جاتا ہے۔ کبھی ناسور بن جاتا ہے۔ کیا شبانہ کا علاج ہو سکتا ہے؟

شبانہ شاید کبھی ساتھ نہ چھوڑتی لیکن صفیہ اسے اس کی ماں کے پاس چھوڑ کر چلی آئی۔ اماں بی کی طبیعت ٹھیک تھی۔ انہوں نے دوپہر کا کھانا پکالیا تھا لیکن شبانہ نے کھانے سے انکار کردیا تھا۔ جب من مزاج ہی ٹھکانے نہ ہو تو بھوک بھی ٹھیک سے نہیں لگتی۔ ماں نے پوچھا۔

"کیا بات ہے۔ تو چپ چپ سی کیوں ہے؟"

چپ چپ رہنے سے وہ نگاہوں کے سامنے رہتا تھا۔ اماں بی کے بولتے ہی گڑبڑ ہوجاتی۔ وہ چپکے سے آنے والا بھاگ جاتا تھا۔ وہ جھلا کر بولی۔

"اماں بی! کبھی تو چپ رہا کریں۔ جب دیکھو ٹر ٹر کرتی رہتی ہیں۔"

"یہ لو۔ میں تیرے بھلے کے لیے کھانے کو کہہ رہی ہوں۔"

"مجھے بھوک لگے گی تو خود کھالوں گی۔ خدا کے لیے چپ رہیں۔"

وہ خاموش ہو کر نگاہوں کے سامنے اسے بلانے لگی۔ اپنے تصور میں اس کے وجود کی خوبیوں کو مجسم کرنے لگی۔ وہ پھر سامنے آرہا تھا۔ اتنے میں ماں نے کہا۔

"وقت پر نہ کھانے والی لڑکیاں عمر کے مطابق پھلتی پھولتی نہیں۔ تو بدن نہیں پکڑے گی تو کوئی تجھے پسند بھی نہیں کرے گا۔"

وہ چونک کر اماں بی کو دیکھنے لگی "آں! کوئی پسند نہیں کرے گا؟"

وہ جلدی سے اٹھ کر چولھے کے پاس گئی۔ پھر روٹیوں کا چھابہ سامنے رکھ کر پودینے کی چٹنی سے کھانے لگی۔ نوالہ حلق سے نہیں اتر رہا تھا۔ وہ پانی پی پی کر نگل رہی تھی۔ وہ اپنے لیے نہیں، انور جمال کے سامنے پھلنے پھولنے کے لیے کھا رہی تھی۔ انور جمال نے یہ بھی تو کہا تھا کہ اسے وقت پر سوجانا چاہیے۔ لیکن جب رات آئی تو ہمیشہ کی طرح نیند لے کر نہیں آئی۔

اس کے پاس ایک پرانا کیسٹ ریکارڈر تھا اور کتنے ہی کیسٹ تھے، جنہیں وہ کتنی ہی بار سن چکی تھی لیکن آج وہ گانے والی اس کے دل کی تڑپ کو سمجھ کر رات کے سناٹے میں فریاد کررہی تھی کہ تمام رات تیری یاد ستاتی ہے۔ وہ بستر سے اٹھ کر اس گیت کو دوبارہ سننا چاہتی تھی یا خیالوں میں آنے والے کو سنانا چاہتی تھی مگر اتنے میں دوسرا گانا

www.pklibrary.net

شروع ہو گیا۔ کسی مرد کی آواز تھی۔

"جب کوئی کلی چٹکتی ہے۔

"تم بہت یاد آتی ہو....."

وہ یہ تو نہ سمجھ سکی کہ کلی کے چٹکنے سے کسی کی یاد کیسے آتی ہے؟ لیکن اسے یوں لگا کہ انور جمال اسے یاد کر رہا ہے۔ وہ بھی اپنے گھر میں جاگ رہا ہے اور اس کی طرح کروٹیں بدل رہا ہے۔ اس نے بستر سے اٹھ کر اس گیت کو بار بار سنا۔ پھر اپنی آواز سنانے لگی کہ ساری ساری رات تیری یاد ستاتی ہے۔ اس گیت کے اختتام پر انور جمال نے پھر کہا "تم بہت یاد آتی ہو....." اسی طرح تمام رات وہ دونوں ایک دوسرے کو اپنی صدا سناتے رہے۔

انور جمال کے فرشتوں کو بھی علم نہ تھا کہ وہ کیسے رات گزار رہی ہے۔ جب وہ سونے کے لیے آیا تو صفیہ اپنی عادت کے مطابق پہلے ہی سو چکی تھی۔ اسے اپنی جوانی کے دن یاد آ گئے جب صفیہ ساری ساری رات اس کے لیے جاگتی تھی۔ اب یہ وقت آ گیا تھا کہ وہ رات کے دس بجے ہی سو جاتی تھی۔ وہ شکایت کرتا تو جواب ملتا۔

"آپ اس عمر میں بے شرمی کی باتیں نہ کریں۔ رات سونے کے لیے ہوتی ہے۔"

انور جمال کے دماغ میں پھر لاوا پکنے لگا۔ منفی سوچ ابھرنے لگی۔ اس عمر میں رات صرف سونے کے لیے کیوں ہوتی ہے؟ اصل بات تھکن کی ہے۔ عمر نے صفیہ کو تھکا دیا ہے اس لیے وہ سو جاتی ہے۔ مگر میں تو تازہ دم ہوں۔ تھک کر سونا چاہتا ہوں۔

تب اسے شبانہ یاد آنے لگی۔ حالانکہ دن کے وقت..... اس نے توبہ کی تھی۔ اسے سمجھنا چاہیے تھا کہ جب اپنے گھر کا دروازہ بند ہو جاتا ہے تو دوسرے گھر کے دروازے پر توبہ ٹوٹ جاتی ہے۔ شبانہ کو یاد کرتے وقت کوئی پچھتاوا نہیں تھا۔ اسے اس لڑکی کی والہانہ محبت کی ایک ایک ادا یاد آ رہی تھی۔ اس کی اداؤں میں بے حیائی نہیں تھی بلکہ ایسا بچپنا تھا جو حیا کے مفہوم کو پوری طرح نہیں سمجھتا۔ اسے سمجھانے والے نے جو سمجھایا۔ وہی سمجھتی رہی۔

انور جمال بہت دیر تک سوچتا رہا۔ وہ اتنی حسین تھی کہ ایک توبہ کے بعد بھلائی نہیں جا سکتی تھی۔ انور نے صاف طور سے محسوس کیا کہ وہ اسے چاہنے لگا ہے۔ ویسے چاہت

www.pklibrary.net

اور دیوانگی میں بڑا فرق ہے۔ وہ شبانہ کی طرح دیوانہ نہیں تھا جب سونے کا وقت آیا تو اپنی عادت کے مطابق سو گیا۔

دوسرے دن اپنے دفتر جاتے وقت اس نے ہوش مندی سے سوچا کہ رات بڑی گمراہ کن ہوتی ہے۔ خواہ مخواہ خیالات کو گمراہ کر کے کہاں سے کہاں لے جاتی ہے۔ اب وہ شبانہ کے متعلق بالکل نہیں سوچے گا۔ رات آئی تو اس کی ہوش مندی سورج کے ساتھ غروب ہو گئی۔ پھر یہ خیال مستحکم ہوا کہ جب تک دل جوان ہے' اسے جوانوں کی طرح جذبات کے سینے میں دھڑکتے رہنا چاہیے۔ مگر یہ سب سوچ ہی سوچ تھی۔ اس نے عملی قدم نہیں اٹھایا تھا۔ نہ تو اس نے صفیہ سے شبانہ کا کوئی ذکر چھیڑا اور نہ ہی اس کے گھر کا رخ کیا۔

تیسرے دن شام کو صفیہ اس کے گھر گئی تو وہ بخار کی حالت میں بستر پر پڑی ہوئی تھی۔ صفیہ نے تعجب سے کہا۔

"ارے یہ تو اچھی بھلی تھی۔ یہ بخار کیسے آ گیا؟"

اماں بی نے اپنا سر پیٹ لیا۔

"بیٹی کیا بتاؤں؟ یہ لڑکی میری سمجھ میں نہیں آتی۔ رات بھر جاگتی اور گانے گاتی رہتی ہے۔ دن کو گھڑی دو گھڑی کے لیے آنکھ بند کرتی ہے پھر چونک کر اٹھ جاتی ہے۔ میں اسے پیر صاحب کے پاس لے جاؤں گی۔"

شبانہ نے انکار میں سر جھٹک دیا۔

"میں نہیں جاؤں گی پیر فقیر کے پاس.... باجی میں آپ کے ساتھ جاؤں گی۔ مجھے اپنے گھر لے چلیں۔"

"اچھی بات ہے۔ میں تمہیں ڈاکٹر کو دکھا کر گھر لے چلوں گی۔"

اماں بی نے احسان مندی سے صفیہ کا ہاتھ تھام کر کہا۔

"بیٹی تم ہمارا کتنا بوجھ اٹھاؤ گی۔ ہمارے راشن کے لیے پیسے دیتی ہو۔ ہمارے ہر دکھ میں کام آتی ہو۔ اس کا باپ تو دبئی جا کر ہمیں بھول گیا۔ کبھی ایک خط سے بھی خبر نہیں لی۔ میں اس کے باپ کو کہاں تلاش کروں؟ تم نہ ہوتیں تو میں گھبرا کر مر جاتی۔"

صفیہ نے بوڑھی عورت کے شانے کو تھپک کر تسلیاں دیں پھر شبانہ کو ساتھ لے کر

www.pklibrary.net

چلی گئی۔ جب شام کو انور جمال گھر میں داخل ہوا تو بستر پر لیٹی ہوئی شبانہ کو دیکھ کر ٹھٹک گیا۔ بڑھتے ہوئے قدم تو رک گئے لیکن دل کی دھڑکنیں بڑھتی جارہی تھیں۔ وہ جوئیں ٹٹولنے کے انداز میں اپنا سر کھجارہی تھی۔ صفیہ نے کہا۔

اسے کل سے بخار ہے۔ اماں بی بتا رہی تھیں کہ یہ رات بھر جاگتی رہتی ہے۔

انور جمال نے جھینپتے ہوئے شبانہ کو دیکھا۔ شبانہ کی کالی آنکھوں میں کالی رات جاگ رہی تھی۔ اس کی خاموش نگاہیں اس سے کہہ رہی تھیں۔

"آپ نے تو کہا تھا کہ نیند نہیں آئے گی تو آپ سلا دیا کریں گے۔"

وہ ڈر گیا۔ حالانکہ شبانہ کی زبان نہیں کہہ رہی تھی۔ لیکن چور کو دل کی آواز بھی دھماکے کی طرح لگتی ہے۔ اس نے چور نظروں سے صفیہ کو دیکھا۔ وہ بے چاری کیا سمجھتی کہ چوری کس انداز میں ہو رہی ہے۔ انور جمال نے آگے بڑھ کر شبانہ کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

"گھبراؤ نہیں! دوا پی لو۔ جلد اچھی ہو جاؤ گی۔"

شبانہ نے اپنے سر کی طرف ہاتھ بڑھا کر اس کے ہاتھ کو تھام لیا۔ پھر دوسرے ہاتھ سے سر کھجاتے ہوئے بولی۔

"آپ اپنے ہاتھوں سے مجھے دوا پلائیں گے نا۔"

اس کی محبت بھری التجا سن کر ممتا کی ماری صفیہ کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ اس نے کہا۔

"پتہ نہیں اس کے ابا کہاں گم ہو گئے ہیں۔ بے چاری محبت کی بھوکی ہے۔ کیا آپ شیخ صاحب کا پتہ نہیں لگا سکتے؟"

"بہت مشکل ہے شیخ صاحب نے کسی سے مشورہ نہیں کیا۔ شبانہ اور اماں بی کے زیورات بیچ کر نہ جانے کس ایجنسی کے ذریعے دبئی چلے گئے۔ کیا پتہ کہ وہ دبئی پہنچے بھی ہیں یا نہیں۔ اگر کوئی جان پہچان والا دبئی سے آیا تو اس سے پوچھیں گے۔"

یہ کہہ کر وہ اپنے کمرے میں آیا اور لباس بدلنے لگا۔ صفیہ نے آکر بڑی رازداری سے کہا۔

"میں شبانہ کو لیڈی ڈاکٹر کے پاس لے گئی تھی۔ ڈاکٹر کرید کرید کر اس کی عمر پوچھ

www.pklibrary.net

رہی تھی کہ اس کی عمر کیا ہے؟ یہ بالغ ہے یا نہیں؟ ساری رات کیوں جاگتی ہے۔ کیا سوچتی رہتی ہے؟ میرا خیال ہے کہ وہ اپنے ابا کو یاد کرتی رہتی ہے۔"

انور جمال نے جھلا کر پوچھا۔

"کیا تمہیں الہام ہوا ہے کہ وہ اپنے ابا کو یاد کرتی ہے۔ تم اتنا نہیں سمجھتیں کہ لیڈی ڈاکٹر اس کی عمر اور بلوغت کے بارے میں کیوں پوچھ رہی تھی۔ اگر تم بیٹیوں اور نواسیوں والی ہو تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ تمام دنیا کی لڑکیوں کو ننھی بچیاں سمجھتی رہو۔"

صفیہ نے حیرانی سے پوچھا۔

"آپ ناراض کیوں ہو رہے ہیں۔ کم عمر بچوں کو ہم بچے ہی کہیں گے۔"

"صفیہ بیگم! تم مجھ سے آٹھ برس چھوٹی ہو پھر کیوں نہ میں تمہیں بھی بچی ہی سمجھوں۔"

صفیہ کو ہنسی آگئی۔ انور جمال بھی یہ سوچ کر مسکرانے لگا کہ چلو گفتگو کا ایک خطرناک موضوع ٹل گیا ہے۔ ایک گھنٹے بعد کھانے کی میز پر صفیہ نے کہا۔

ڈاکٹر نے شبانہ کو دودھ اور ڈبل روٹی کھانے کے لیے کہا ہے مگر وہ کھانے سے انکار کر رہی ہے۔ آپ ذرا بہلا پھسلا کر اسے کھلا دیں۔"

وہ اپنا کھانا ختم کر کے دودھ اور ڈبل روٹی لے کر اس کمرے میں چلا گیا جو شبانہ کے لیے مخصوص ہو گیا تھا۔ صفیہ اس دوران باورچی خانے میں مصروف رہی۔ آدھے گھنٹے بعد انور جمال خالی برتن لے کر واپس آیا تو صفیہ نے خوش ہو کر کہا۔

"میں پہلے ہی جانتی تھی کہ وہ پیٹ کی نہیں محبت کی بھوکی ہے۔ آپ کے ہاتھ سے کھالے گی۔"

انور جمال نے پوچھا "اسے دوا کی دوسری خوراک کب دو گی؟ مجھے تو نیند آرہی ہے۔ میں سونے جا رہا ہوں۔"

"آپ سو جائیں۔ میں اسے دوا پلانے تک جاگتی رہوں گی۔"

انور جمال چلا گیا۔ جب وہ کام ختم کر کے اپنے شوہر کے پاس آئی تو وہ آنکھیں بند کیے پڑا تھا۔ وہ بھی تھکے انداز میں بستر پر گرتے ہوئے بولی۔

www.pklibrary.net

"میں جانتی ہوں۔ آپ اتنی جلدی نہیں سوتے ہیں۔"
وہ آنکھیں کھول کر مسکراتے ہوئے بولا۔
"میں یہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ تم شبانہ کے لیے کس طرح جاگتی ہو۔"
"توبہ ہے۔ مجھے زور کی نیند آ رہی ہے اور دوا ایک گھنٹے بعد پلانی ہے۔"
ایک گھنٹہ بہت ہوتا ہے۔ وہ شروع سے نیند کی کچی تھی۔ میں منٹ کے بعد ہی گہری نیند سو گئی۔ انور جمال نے اسے ایک دوبار آواز دی پھر مریضہ کو دوا پلانے چلا گیا۔
دوسرے دن شبانہ کا بخار اتر گیا۔ وقت اور حالات لڑکیوں کو اپنی عمر سے زیادہ چالاکی سکھا دیتے ہیں۔ شبانہ کے دماغ میں یہ بات آئی کہ طبیعت ٹھیک ہو جائے گی تو صفیہ باجی اسے گھر بھیج دیں گی یا اماں بی آکر لے جائیں گی اس لیے اس نے کمزوری کا بہانہ کیا۔ صفیہ نے ڈاکٹر کے پاس چلنے کے لیے کہا تو وہ بولی۔
"کیسے چلوں بستر سے اٹھتی ہوں تو سر گھومنے لگتا ہے۔"
وہ اپنا سر کھجانے لگی۔ سر گھومے یا نہ گھومے جوئیں سر پر ضرور گھومتی تھیں۔
صفیہ اسے چھوڑ کر ڈاکٹر کے پاس گئی اور اسے مریضہ کا حال بتا کر دوا لے آئی۔ دو روز تک خود ساختہ کمزوری کا علاج ہوتا رہا پھر پیٹ میں درد شروع ہو گیا۔ اس طرح اس نے ایک ہفتہ وہاں گزار لیا۔ ایک دن اماں بی آکر اسے زبردستی لے گئیں۔
اس کے جانے کے بعد صفیہ نے اپنے شوہر کے پاس آکر اسے جھنجھوڑتے ہوئے اٹھایا۔
"اب اٹھ بھی جائیے۔ آج کل آپ کو کیا ہو گیا ہے۔ اپنی عادت کے خلاف دن چڑھے تک سوتے رہتے ہیں؟"
انور جمال نیند میں جواب تو نہ دے سکا البتہ اپنا سر کھجانے لگا۔ اسی لمحے صفیہ نے چونک کر اسے دیکھا۔ اس کے سرتاج کے سر میں سے دو موٹی موٹی جوئیں گر کر تکیے کے سفید غلاف پر گری تھیں اور بڑے آرام سے چہل قدمی کر رہی تھیں۔
صفیہ کا دماغ غصے کے آخری درجہ حرارت سے کھول رہا تھا پھر بھی اس نے یہ سوچ کر تحمل سے کام لیا کہ پہلے جوؤں کے متعلق تفتیش کرنا چاہیے۔ جب انور جمال دفتر چلا گیا تو وہ غور کرنے بیٹھ گئی۔ پہلا سوال یہ تھا جوئیں کہاں سے آئیں؟"

www.pklibrary.net

صفیہ کا جواب تھا "میرے سر میں جوئیں نہیں ہیں اور دفتر میں کسی کے ساتھ سر جوڑ کر نہیں بیٹھتے۔ یہ شبانہ کے سر کی جوئیں ہیں۔"

دوسرا سوال تھا "ایک سر کی کھجلی دوسرے سر میں کیسے منتقل ہوتی ہے؟؟"

صفیہ نے پہلے تو خود کو دلاسہ دیا کہ تکیہ بدل گیا ہوگا مگر اس کمزور دلاسے نے سہارا نہیں دیا کیونکہ جب تک شبانہ وہاں رہی' ہر ایک کا تکیہ اپنے اپنے بستر پر رہا۔ بے جان تکیہ اپنی جگہ خود نہیں بدل سکتا۔ آدمی کا سر اور اس کی سوچ اپنی جگہ بدل سکتی ہے۔

ایک بیوی یہ صدمہ برداشت نہیں کر سکتی کہ اس کے سرتاج کا سر کسی دوسری کے لیے کھجلائے۔ وہ غصے میں گھر سے نکلی' دروازے پر تالا ڈالا پھر سیدھی شبانہ کے پاس پہنچ گئی۔ وہاں کیسٹ ریکارڈر بج رہا تھا۔

"نہ جھٹکو زلف سے پانی۔ یہ موتی ٹوٹ جائیں گے...."

شبانہ فرش پر بیٹھی زلفوں کو جھٹکنے کے بعد کنگھی کر رہی تھی اور جوئیں موتی کی طرح سر سے ٹپک رہی تھیں۔ وہ صفیہ کو دیکھتے ہی اٹھ کر کھڑی ہو گئی اور خوش ہو کر بولی۔

"ہائے باجی! میں آپ ہی کو یاد کر رہی تھی۔ یہاں میرا دل نہیں لگتا۔ آپ مجھے اپنے پاس لے جائیں۔"

صفیہ ایسی ہی بچوں والی ضد سے مجبور ہو کر اسے اپنے ساتھ لے جایا کرتی تھی۔ اب یہ انکشاف ہو رہا تھا کہ وہ بالشت بھر کی چھوکری سے کیسا دھوکا کھا رہی تھی۔ وہ غصے کو ضبط کرتے ہوئے بولی۔

"یہاں تمہارا دل نہیں لگتا۔ وہاں تمہارے دولہا بھائی کا دل نہیں لگتا۔ وہ تمام رات تمہیں یاد کرتے ہیں اور کروٹیں بدل بدل کر صبح کر دیتے ہیں۔"

شبانہ یہ سن کر بہت خوش ہوئی کہ وہ اس کی یاد میں جاگتا ہے اور یہ سوچ کر دکھ بھی ہوا کہ پہلے جو آرام سے سوجاتا تھا' اب اسے نیند نہیں آتی۔ وہ بے اختیار بولی۔

"وہ مجھے سلایا کرتے تھے۔ انہیں میری جاگنے والی بیماری لگ گئی ہے۔ اب میں انہیں...."

وہ کہتے کہتے رک گئی پھر سوچ کر بولی۔

"مگر میں کچھ نہیں کہوں گی۔ انہوں نے کہا تھا کہ اپنی باجی کو کچھ نہ بتانا۔"

www.pklibrary.net

صفیہ نے جبراً مسکراتے ہوئے کہا۔

"تم کیا بتاؤ گی۔ انہوں نے خود ہی مجھے سب کچھ بتا دیا ہے۔"

"سچ باجی؟ مگر وہ تو کہہ رہے تھے کہ آپ کو معلوم ہو گا تو آپ غصہ کریں گی۔"

"واہ! مجھے غصہ آتا تو کیا میں تمہارے پاس آتی؟"

"ہائے باجی آپ کتنی اچھی ہیں۔"

وہ خوش ہو کر اس سے لپٹ گئی۔ صفیہ کو یوں لگا جیسے ایک شعلہ اس سے لپٹ گیا ہو اور اسے اپنی لپیٹ میں لے کر اس کے گھر کو پھونک ڈالنے والا ہو۔ اس نے بڑے تحمل سے اسے پرے ہٹا کر کہا۔

"اب گھر چلو۔ میں انہیں فون کردوں گی کہ تم واپس آگئی ہو۔"

اس روز شام کو انور جمال مقررہ وقت سے پہلے ہی گھر آگیا۔ صفیہ سر میں رومال ڈھے بستر پر لیٹی ہوئی تھی۔ انور جمال ادھر ادھر دیکھتا ہوا ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ پھر بولا۔

"تم نے فون پر کہا تھا کہ شبانہ واپس آگئی ہے۔ کہاں ہے وہ؟"

صفیہ نے کہا "میں نے فون پر یہ بھی تو کہا تھا کہ میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ میرے سر پر پٹی بندھی دیکھ کر بھی آپ نے میرا حال نہیں پوچھا اور جو نظر نہیں آرہی ہے اسے پوچھ رہے ہیں۔"

"صفیہ! کیا آج تم نئی بن گئی ہو۔ تم نہیں جانتیں کہ پہلے میں جوتے اتارتا ہوں۔ لباس بدلتا ہوں پھر تمہارے پاس آکر اطمینان سے باتیں کرتا ہوں۔ شکایت کرنے سے بہتر تھا کہ ذرا انتظار کرلیتیں۔"

"بس رہنے دیجئے جسے دیکھنا چاہتے ہیں اسے بلا دیتی ہوں...."

اس نے شبانہ کو آواز دی۔

"میں اسے دیکھنا چاہوں گا! کیوں...... آج تم کیسی باتیں کر رہی ہو؟" انور جمال نے کہا۔

"آج ہی تو سچی باتیں کر رہی ہوں۔ آپ بھی سچ بتا دیں کہ اس لڑکی سے آپ کا اور کیا رشتہ ہے۔"

"ا ں۔" اس نے گھبرا کر کہا "کچھ نہیں...... بھئی وہ ایک معصوم بچی ہے۔"

www.pklibrary.net

"ہاں ایسی ہی معصوم ہے جیسے آپ ہیں۔"

اتنے میں شبانہ کمرے میں آ گئی۔ اس نے انور جمال کو دیکھتے ہی صفیہ سے کہا۔

"باجی! آپ نے ٹھیک ہی کہا تھا کہ انور صاحب آج وقت سے پہلے گھر آجائیں گے۔"

انور جمال نے حیرانی اور پریشانی سے کہا۔

"ارے تم مجھے انور صاحب کیوں کہہ رہی ہو؟"

شبانہ نے اس کی طرف بڑھتے ہوئے بے باکی سے کہا۔

"آپ نے باجی کو سب کچھ بتا دیا ہے۔ اس لیے باجی کہتی ہیں کہ اب میں آپ کو دولہا بھائی نہ کہوں۔"

انور جمال کو ایک ساعت کے لیے یوں لگا جیسے جسم کا تمام خون خشک ہو گیا ہو۔ اس نے مجرم کی طرح نظریں اٹھائیں تو صفیہ اسے گھور کر دیکھ رہی تھی۔ صبح سے اس کے دل میں پکنے والا لاوا پھٹ پڑا۔ وہ غصے سے کانپتے ہوئے بولی۔

"آپ مجھے اس طرح دیکھ کر یہ تاثر دے رہے ہیں کہ آپ شرمندہ ہیں۔ کیا آپ کو اس وقت شرم نہیں آئی تھی جب آپ نے پہلی بار بے شرم ہو کر اس لڑکی کو ہاتھ لگایا تھا؟ کیا آپ نے اپنی اور اس کی عمر کا بھی حساب نہیں کیا؟ آپ نے اس کی بھی پروا نہیں کی میرے دل پر کیسی قیامت گزرے گی؟"

وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ شبانہ کی سمجھ میں آ گیا کہ صفیہ اس سے حقیقت اگلوانے کے لیے اسے یہاں لائی ہے اور اب ان کی چوری کھل کر سامنے آ گئی ہے۔ اسے پہلے تو ڈر لگا پھر اس نے سوچا۔

"ڈرنے کی کیا بات ہے۔ انور صاحب تو میرے ہیں۔ انہوں نے وعدہ کیا ہے کہ جب بھی مجھے نیند نہیں آئے گی تو وہ مجھے سلا دیا کریں گے۔"

اس نے سہارا پانے کے لیے انور جمال کی طرف دیکھا۔ وہ ایک مجرم کی طرح سر جھکائے بیٹھا تھا پھر وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر صفیہ کے پاس گیا۔ شبانہ کے دل کو ٹھیس پہنچی۔ وہ سمجھ رہی تھی کہ وہ اس کے پاس آئے گا لیکن وہ تو رونے والی کے آنسو پونچھنے جا رہا تھا۔ صفیہ نے اس کا ہاتھ جھٹک کر کہا۔

www.pklibrary.net

"ان ناپاک ہاتھوں کو مجھ سے دور رکھیں۔ مجھے آپ کی ہمدردیاں نہیں چاہئیں۔"

"صفیہ! مجھے معاف کردو تم جس طرح کہو گی۔ میں اس غلطی کی تلافی کروں گا۔"

"آپ جھوٹ کہتے ہیں۔ جب تک یہ راز نہیں کھلا تھا آپ اپنی غلطی کو جائز سمجھ کر مجھے دھوکا دیتے رہے۔ اب آپ کس غلطی کی تلافی کریں گے؟"

میں اپنے گھر کے ماحول کو پرسکون اور خوش گوار بناؤں گا۔ اب شبانہ یہاں کبھی نہیں آئے گی۔"

شبانہ کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ وہ روتے ہوئے بولی۔

"میں آؤں گی۔ باجی! میں نے آپ کا کیا بگاڑا ہے؟ میں تو صرف سونے کے لیے آتی ہوں اگر نہیں آؤں گی تو نیند نہیں آئے گی۔"

صفیہ نے غصے سے اٹھتے ہوئے کہا۔

"چپ بے شرم' بدذات۔ سونے کی بات ایسے کرتی ہے جیسے کچھ سمجھتی ہی نہیں۔ کیا تو نہیں جانتی کہ یہ گناہ ہے؟"

اس نے بڑی معصومیت سے نفی میں سرہلا کر کہا۔

"نہیں باجی! انور صاحب نے مجھے یہی بتایا ہے کہ محبت میں جو کچھ ہوتا ہے' اسے گناہ نہیں کہتے....."

انور نے جلدی سے بات کاٹ کر کہا۔

"شبانہ تم کیا الٹی سیدھی باتیں کر رہی ہو۔ میں نے کب ایسا کہا تھا؟"

صفیہ نے کہا "آپ خاموش رہیں.....ہاں تو شبانہ انہوں نے اور کیا سمجھایا تھا؟"

"یہ بہت اچھے ہیں باجی۔ ان کی باتیں بہت اچھی لگتی ہیں۔ اسی لیے میں ان کی ہر بات مان لیتی ہوں۔ پیار کرنے والے لوگ تو اچھے ہوتے ہیں۔ آپ بھی مجھے پیار کرتی ہیں تو یہ گناہ تو نہیں ہوتا۔ انور صاحب بھی پیار کرتے کرتے مجھے سلا دیتے ہیں۔ اچھی باجی آپ اسے گناہ کیوں کہتی ہیں؟"

یہ معصوم سا سوال صفیہ کے دل میں اتر گیا۔ اتنی دیر بعد اس کی سمجھ میں آیا کہ وہ غصے میں ایک معصوم لڑکی سے لڑ رہی ہے جسے کسی نے اب تک ایک مرد کی قربت کی اونچ نیچ نہیں سمجھائی ہے۔ جب وہ تیرہ برس کی تھی تو باپ اسے ادھوری شفقت سے آشنا

www.pklibrary.net

کر کے دبئی چلا گیا۔ اماں بی دو برس سے اس کا انتظار کر رہی تھیں۔ بیٹی کی طرف دھیان نہ تھا۔ اکثر مائیں بیٹیوں کی طرف سے غافل رہتی ہیں۔ ان کی معصومانہ سوچ کو نہیں سمجھتیں کہ زندگی کے موڑ پر کوئی اچانک آئے گا اور گناہ کو محبت کے خوب صورت غلاف میں لپیٹ کر ان کی معصومیت سے کھیلتا رہے گا۔"

صفیہ بھی جوان بیٹی کی ماں تھی۔ اس نے ممتا کے ترازو میں شبانہ کو تولا تو ترازو کی ڈنڈی مارنے والا مجرم انور جمال نکلا۔ وہ شبانہ کو سینے سے لگا کر بھینچتے ہوئے بولی۔

"تمہارا قصور نہیں ہے۔ میں ناحق تم پر ناراض ہو رہی تھی۔ مگر شبانہ! اب تم کو اچھی لڑکیوں کی طرح اچھے برے کی تمیز کرنا چاہیے۔ اب تک جو کچھ ہوا' برا ہوا۔ اسے بھول جاؤ۔ چلو میں تمہیں گھر چھوڑ آؤں۔"

"اوں ہوں۔ باجی۔ مجھے وہاں نیند نہیں آئے گی۔"

"پھر وہی بات۔ کیا تم اچھی لڑکی نہیں ہو گی؟ چلو یہاں سے....."

وہ اس کا بازو پکڑ کر کھینچتے ہوئے لے گئی۔ انور جمال نے سر اٹھا کر اسے جاتے ہوئے نہیں دیکھا لیکن اس کی آواز کانوں میں گونج رہی تھی کہ اسے نیند نہیں آئے گی۔ وہ تھکے ہوئے انداز میں بستر پر گر پڑا اور اپنے دل کو سمجھانے لگا کہ بات کھل گئی تو کیا ہوا؟ یہ بات بیوی تک محدود رہے گی اور وہ آئندہ ایسی غلطیوں سے بچتا رہے گا۔

صفیہ نے اسے گھر پہنچایا پھر اماں بی کے پاس آ کر بولی۔

"اماں بی' آپ کب تک اپنے شوہر کا انتظار کرتی رہیں گی۔ آپ کو شبانہ کی فکر کرنی چاہیے۔ اب وہ ننھی بچی نہیں ہے کہ باپ کے انتظار میں بیٹھی رہے۔"

اماں بی نے بڑے تعجب سے پوچھا۔

"کیوں بیٹی! کیا شبانہ سے کچھ اونچ نیچ ہو گئی ہے۔"

"نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں ہے مگر کچھنے سے کوئی بات سمجھ میں آتی ہے۔ آخر یہ راتوں کو جاگتی کیوں ہے۔ کیا سوچتی رہتی ہے۔ لیڈی ڈاکٹر نے بھی مشورہ دیا ہے کہ اس کی شادی جلد ہی کر دی جائے۔"

شبانہ دوسرے کمرے سے ان کی باتیں سن رہی تھی۔ اب ہر بات اس کی سمجھ میں آجاتی تھی کہ اس کی شادی کے مشورے کیوں ہو رہے ہیں؟ اسے انور جمال سے چھڑا کر

www.pklibrary.net

کسی اور کے پالنے میں ڈالا جائے گا تاکہ وہاں نیند آجایا کرے۔ اس میں صفیہ باجی کا بھی فائدہ تھا۔ وہ جھوٹ موٹ لیڈی ڈاکٹر کا حوالہ دے کر شادی کی جلدی کر رہی تھیں۔

اس کے تصور میں کتنے ہی دولہا سہرا باندھ کر آئے لیکن وہ انور جمال جس کے سر پہ سہرا نہیں تھا' وہی سب سے اچھا لگ رہا تھا۔ وہ دروازے پر آکر بولی۔

"باجی! میں شادی نہیں کروں گی.... نہیں کروں گی.... کبھی نہیں کروں گی۔"

اس سے پہلے کہ صفیہ کچھ کہتی۔ اس نے زوردار آواز کے ساتھ دروازہ بند کردیا۔

کچھ دنوں کے لیے صفیہ اور انور جمال کے درمیان سے شبانہ کی دیوار ہٹ گئی۔ اس کے باوجود میاں بیوی کے اعتماد والا رشتہ کمزور پڑ گیا۔ اگر انور کسی گہری سوچ میں ڈوب جاتا تو صفیہ کو شبہ ہوتا کہ وہ شبانہ کی یاد میں کھویا ہوا ہے۔ وہ طنزیہ لہجے میں پوچھتی۔

"کیا وہ بہت یاد آرہی ہے؟"

"آں۔ کون؟" وہ خیالات سے چونک کر پوچھتا پھر بیگم کا طنز سمجھ جاتا۔

"صفیہ! سوچنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کسی کو یاد کیا جارہا ہے۔ میں اپنے کاروبار کے متعلق سوچ رہا ہوں۔"

اس نے صفیہ سے جھوٹ نہیں کہا تھا۔ وہ سچ مچ کاروبار کے متعلق سوچ رہا تھا۔ سوچ کا سلسلہ کچھ یوں ہوتا تھا۔

"ہماری سگریٹ کی مانگ دن بدن بڑھتی جارہی ہے لیکن صرف مانگ بڑھنے سے کچھ نہیں ہوتا' دام بھی بڑھنے چاہئیں۔ اگر ہم سگریٹ کی سپلائی روک دیں تو لوگ بازار میں سگریٹ تلاش کرتے پھریں گے۔ پھر ہم دام بڑھا کر سپلائی بڑھائیں گے تو منافع میں اضافہ ہوجائے گا۔ ایسا صرف کاروبار میں نہیں ہوتا۔ سماج میں بھی یہی کچھ ہوتا ہے۔ بوڑھوں کی زندگی میں اس دنیا کے حسن اور رنگینیوں کی سپلائی روک دی جاتی ہے۔ ایسے میں جس بوڑھے کی قوت خرید زیادہ ہوتی ہے' وہ سماج کے چور دروازے سے کوئی خوب صورتی خرید لیتا ہے۔ خریدنے کے لیے پیسہ ضروری نہیں ہوتا۔ میں نے تو شبانہ کے آگے نیند کا سکہ پھینک کر اسے حاصل کرلیا ہے۔ جب میں نے شادی کے گھر والے برآمدے میں اسے بچوں کے درمیان لیٹے ہوئے دیکھا۔ جب میں کھسک کر اس کے پاس گیا۔ جب میں نے اسے زانو پر سلا دیا۔ جب میں نے اسے یہ کہا۔ جب میں نے...."

www.pklibrary.net

وہ سوچتے سوچتے چونک جاتا۔ کیونکہ وہ تو کاروبار کی باتیں سوچ رہا تھا پھر شبانہ کیسے ہیرا پھیری سے اس کی سوچ میں آجاتی تھی؟ صفیہ کا شبہ درست تھا اور انور سچا تھا کہ وہ کام کی باتیں سوچتا تھا۔ یہ الگ بات ہے کہ شبانہ بھی آپ ہی آپ کام کی بات بن جاتی تھی۔

انور جمال کی کار ورکشاپ سے آگئی تھی۔ ایک صبح وہ دفتر کی طرف جا رہا تھا۔ اپنے گھر سے ایک فرلانگ کے فاصلے پر گول چکر کے پاس شبانہ نظر آئی۔ وہ ہاتھ اٹھا کر گاڑی روکنے کا اشارہ کر رہی تھی۔ انور نے قریب پہنچ کر گاڑی روکتے ہوئے پوچھا۔

"تم یہاں کیا کر رہی ہو؟"

وہ کار کا اگلا دروازہ کھول کر بیٹھ گئی۔ پتا نہیں وہ کب سے دھوپ میں کھڑی انتظار کر رہی تھی۔ اس کا چہرہ تمتما رہا تھا۔ سیاہ آنکھیں وحشت سے پھیلی ہوئی تھیں۔ وہ ایسے دیکھ رہی تھی جیسے بلی چھیچھڑے کی جانب حسرت و یاس اور اضطراب سے دیکھتی ہے۔ اس نے تھکے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"آپ یہ کیوں پوچھتے ہیں کہ میں یہاں کیا کر رہی تھی۔ آپ خود کیوں نہیں سمجھتے...."

"آں۔ ہاں۔ سمجھ گیا۔ تم میرا انتظار کر رہی تھیں۔"

"آج ہی نہیں، میں روز انتظار کرتی ہوں۔ پہلے میں یہاں فٹ پاتھ پر کھڑی رہتی تھی مگر آپ تیزی سے کار چلاتے ہوئے گزر جاتے تھے۔ جب آپ نے پانچ دنوں تک میری طرف نہیں دیکھا تو میں ادھر کھڑی ہو گئی تھی۔ آپ کو دیکھتے ہی ہاتھ ہلاتی تھی۔ ایک ہفتے بعد سمجھ میں آیا کہ آپ گاڑی موڑتے وقت سیدھے راستے کی طرف دیکھتے ہیں۔ اس لیے آج میں گول چکر کے پاس کھڑی رہی کیونکہ گاڑی موڑنے سے پہلے گول چکر سامنے آجاتا ہے۔"

انور جمال اس کی باتیں سن رہا تھا اور سمجھ رہا تھا کہ دو ماہ تک دور رہنے کے باوجود وہ اس لڑکی کے دماغ سے نہ مٹ سکا۔ اس نے گاڑی اسٹارٹ کی پھر ایک ہاتھ اس کے ہاتھ پر رکھتے ہوئے بولا۔

"یہ پاگل پن ہے۔ تم تنہا وہاں کھڑی رہتیں تھیں۔ لوگ کیا سوچتے ہوں گے؟"

www.pklibrary.net

"آپ لوگوں کے بارے میں سوچتے ہیں۔ میرے بارے میں کچھ نہیں سوچتے؟"
اس نے اعتراف کیا "ہاں سوچتا ہوں۔ نہ سوچتا ہوں تب بھی تمہارے متعلق سوچتا چلا جاتا ہوں۔"
"سچ؟" وہ خوش ہوگئی "پھر آپ مجھ سے ملنے کیوں نہیں آئے؟"
"کیسے آسکتا ہوں۔ صفیہ کو معلوم ہو جائے گا تو گھریلو زندگی عذاب ہو جائے گی۔"
"باجی کو نہیں معلوم ہو گا۔"
"نہیں شبانہ! تمہاری اماں بی بتا دیں گی۔ پھر محلے والے بھی سوچیں گے کہ پہلے میں بیوی کے ساتھ بھی تمہارے گھر نہیں آتا تھا۔ اب تنہا کیوں آتا ہوں؟"
وہ اپنا سر کھجاتے ہوئے بولی۔
"میں کچھ نہیں جانتی۔ آپ کہیں بھی ملیں۔ مجھے نیند نہیں آتی ہے۔ میں کل رات بھی نہیں سوئی ابھی تک جاگ رہی ہوں۔"
انور جمال کے دل میں اس کے لیے محبت اور ہمدردی کے جذبات مچلنے لگے۔ اس نے عہد کیا تھا کہ آئندہ غلطی نہیں کرے گا۔ یہ بھی ایک غلطی ہوتی کہ وہ اسے راتوں کو جاگنے اور دن کو اپنی راہ پر بھٹکنے کے لیے چھوڑ دیتا۔ اس بے چاری کا کیا قصور تھا۔ وہ تو پیار کی پیاسی تھی۔ ایک ایک بوند کے لیے اس کے پاس پھڑپھڑا رہی تھی۔
انور نے کولڈ اسپاٹ کے سامنے گاڑی روک دی۔ ملازم آرڈر لینے آیا تو اس نے کہا۔
"کوک لے آؤ....."
ملازم نے شبانہ کی طرف دیکھ کر کہا۔
"صاحب بے بی کے لیے آئس کریم لے آؤں؟"
"لے آؤ" یہ دو لفظ کہتے وقت انور کا گلا خشک ہوگیا۔ جب آئس کریم اور ٹھنڈی بوتل آگئی تو اس نے ایک گھونٹ پی کر کہا۔
"شبانہ! ملازم تمہیں بے بی کہہ رہا تھا۔ وہ کیا سب ہی تمہیں بچی کہیں گے۔ میں بہت عمر والا آدمی ہوں۔ تمہیں کسی نوجوان سے محبت کرنی چاہیے۔"
"محبت کیسے کروں؟ میں نے تو آپ سے بھی محبت نہیں کی تھی۔ یہ تو آپ ہی آپ ہو گئی

www.pklibrary.net

اور کسی سے آپی آپ نہیں ہوتی۔"

"تم کوشش تو کرو۔"

"میں نے کی تھی مگر نہیں ہوئی۔"

"کب؟" اس نے دلچسپی سے پوچھا۔

"جب باجی نے آپ سے الگ کر دیا تو میں روز اپنے کمرے کی کھڑکی کے پاس بیٹھ کر آپ کا انتظار کرتی تھی اور ایک نوجوان مجھے دیکھتا رہتا تھا۔ پہلے تو میں نے غصہ دکھایا پھر چپل دکھائی مگر وہ باز نہ آیا۔ کتنے ہی رت جگوں کے بعد میں نے سوچا۔ آپ باجی سے ڈرتے ہیں اور یہ نوجوان کسی سے نہیں ڈرتا۔ یہ ساری زندگی ساتھ نبھائے گا۔ میری سوچ بدلی تو میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ آئی تو ایک رات وہ میرے پاس آگیا۔"

انور جمال نے بے چینی سے پہلو بدلتے ہوئے رقابت سے پوچھا "پھر؟"

"پھر کیا۔ میں نے اس کے بازوؤں کو چھو کر دیکھا۔ وہ آپ کے جیسے نہیں تھے۔ میں نے اس کے سینے پر سر رکھا لیکن آپ کی مہک نہیں مل رہی تھی۔ میں نے آنکھیں بند کر کے آپ کا تصور کیا پھر بھی ایسا لگا کہ مجھے بھیک مانگنے پر کھوٹا سکہ مل رہا ہے۔ میں نے اسے زور کا دھکا دے کر کہا۔ تمہیں میرے گھر آنے کی جرات کیسے ہوئی اگر خیریت چاہتے ہو تو بھاگ جاؤ۔ ورنہ ابھی شور مچاتی ہوں۔ میرے تیور بدلتے دیکھ کر وہ کھڑکی سے کود کر بھاگتا چلا گیا..."

انور جمال دل کھول کر یوں ہنسنے لگا جیسے دماغ سے بوجھ اتر گیا ہو۔ یہ سوچ کر کتنی مسرت اور کتنا فخر محسوس ہوتا ہے کہ یہ جو سامنے بیٹھی ہے' سر سے پاؤں تک ہماری ہے۔ اسے کوئی نہیں چرا سکتا۔ یہ ہماری جاگیر ہے۔ صرف یہی نہیں۔ دنیا کی ہر چیز کو اپنی جاگیر اور جائداد بنا کر رکھنے کا دستور بہت پرانا ہے۔ اپنا بنا کر برتنے میں یہ خوشی ہوتی ہے کہ ایسی انمول چیز اور ایسا بے مثال ماڈل کسی دوسرے کے پاس نہیں ہے۔

انور جمال کے دل نے سمجھایا کہ اس عمر میں ایسی کم سن حسین محبوبہ نصیب سے ہی ملتی ہے۔ یعنی شبانہ جیسی پیار کی دیوانی جو راتوں کو اس کے لیے جاگتی ہے۔ دن کو اس کی تلاش میں بھٹکتی رہتی ہے۔ اس کی یاد میں بھوکی رہتی ہے۔ اس کی جدائی میں سنگار نہیں کرتی اور اس کے لیے بچپن کو چھوڑ کر پھول جیسی جوانی کے کانٹوں بھرے راستے پر آگئی

www.pklibrary.net

ایسے وقت وہ اس کے راستے سے کانٹے نہ چنتا تو پھر اس شکایت کا بھی حقدار نہ ہوتا کہ بوڑھوں کو اس دنیا کی خوب صورتی میں حصہ نہیں ملتا ہے۔

وہ شبانہ کو اپنے دفتر میں لے آیا۔ اپنے چپڑاسی کو سمجھا دیا کہ کوئی ملنے آئے یا ٹیلی فون آئے تو کہہ دینا کہ آج صاحب دفتر نہیں آئیں گے اور جنرل منیجر سے بھی کہہ دیتا کہ ضروری کام وہ خود نمٹالے اور اسے ڈسٹرب نہ کرے۔ اس طرح باہر کی دنیا سے رابطہ ختم کر کے اس نے اپنے ایر کنڈیشنڈ دفتر کی دنیا کا دروازہ بند کر لیا۔

اس دن سے ملاقاتوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ کبھی دفتر کبھی ہاکس بے اور کبھی ڈرائیو ان سینما اور ہر وہ جگہ جہاں دو دلوں کے درمیان کوئی دیوار نہیں ہوتی لیکن کبھی نہ کبھی تو چوری پکڑی ہی جاتی ہے۔ ایک ہفتے بعد صفیہ نے بڑے یقین کے ساتھ اپنے شوہر سے کہا۔

"آج کل آپ شبانہ سے پھر ملنے لگے ہیں؟"

"کون کہتا ہے؟ جب سے تم نے اسے یہاں سے نکالا ہے' میں نے اس کی صورت تک نہیں دیکھی۔"

"آپ مردوں میں یہ بڑی خوبی ہے۔ جھوٹ بولتے وقت ذرا بھی نہیں جھجکتے۔ میں پچھلے تین دن سے آپ کو سر کھجاتے دیکھ رہی ہوں۔"

وہ شکست خوردہ انداز میں سر کھجانے لگا۔ وہ غصے سے بولنے لگی۔

"آپ کو اپنی عزت کا ذرا بھی خیال نہیں ہے۔ معزز لوگوں میں بیٹھ کر اس طرح سر کھجاتے ہوں گے تو اچھا لگتا ہو گا۔ یہ بڑھاپے کا عشق آپ کو جگہ جگہ بدنام کرے گا۔"

اس نے اپنی صفائی پیش کی۔

"صفیہ! میں اس کے پیچھے نہیں جاتا' وہ میرے پیچھے آجاتی ہے۔ میں کیا کروں؟"

"اگر آپ بے قصور ہوتے تو خفیہ ملاقاتوں کو مجھ سے نہ چھپاتے۔ اب آپ سچ سچ بتا ئیں کہ وہ کب اور کہاں ملتی ہے؟"

وہ تمام خفیہ اڈے نہیں بتا سکتا تھا۔ اس نے صرف اتنا ہی کہا۔

"دفتر کے راستے میں کہیں نہ کہیں مل جاتی ہے۔"

"آپ مجھے بے وقوف بنا رہے ہیں۔ وہ آپ سے راستے میں ملتی ہے۔ آپ اسے

www.pklibrary.net

دعائیں دیتے ہیں' وہ آپ کو جوئیں دے کر چلی جاتی ہے۔ کیا آپ سچ نہیں بولیں گے۔"

سوکن والی سچائی عورت کب برداشت کرتی ہے اس لیے وہ صفیہ کو ٹالنے لگا۔ آخر صفیہ نے تنگ آکر کہا۔

"میں اسے اپنا گھر برباد نہیں کرنے دوں گی۔ کل سے میں آپ کے ساتھ دفتر جاؤں گی۔ آپ کو وہاں چھوڑ کر گھر کا کام کروں گی۔ پھر شام کو دفتر جا کر آپ کو ساتھ لے آؤں گی۔"

"کیا میں مجرم ہوں کہ تم مجھے قیدی بنا کر رکھو گی؟"

"اگر آپ مجرم نہیں ہیں تو اعتراض نہ کریں۔ میں تو شبانہ کا راستہ روکنے کے لیے ایسا کروں گی۔"

وہ مزید بحث کرتا تو مجرم کہلاتا اس لیے خاموش رہا۔ دوسرے دن سے صفیہ اس کے ساتھ دفتر جانے اور آنے لگی۔ وہ دونوں تک شبانہ کو راستے میں کہیں نہ کہیں دیکھتی رہی۔ شبانہ نے بھی اسے انور کے ساتھ کار میں بیٹھے دیکھ لیا تھا اس لیے راستہ نہ روک سکی۔ تیسرے دن وہ نظر نہیں آئی۔ صفیہ نے مسکرا کر کہا۔

"دیکھا آپ نے؟ اب وہ سمجھ گئی ہے کہ دال نہیں گلے گی۔"

وہ شوہر کو دفتر میں چھوڑ کر گھر کے کاموں سے نمٹنے چلی گئی۔ اس کے جاتے ہی بڑی سی میز کے نیچے سے شبانہ نکل آئی۔

"تم....؟" انور اسے حیرانی سے دیکھنے لگا۔

وہ دونوں ہاتھ کمر پر رکھ کر بولی۔

"ہاں میں.... آپ مجھ سے پیچھا چھڑانے کے لیے اب باجی کے ساتھ آنے جانے لگے ہیں۔"

"تم غلط سمجھ رہی ہو۔ دراصل صفیہ کو ہماری ملاقاتوں کا علم ہوگیا ہے اس لیے وہ میری پہرے دار بن گئی ہے۔"

"جھوٹ۔ باجی کو کیسے معلوم ہو سکتا ہے کہ ہم ملتے رہتے ہیں۔"

"انور جمال نے اپنے سر پر ہاتھ مار کر کہا۔

"یہ سر کھجانے کی وجہ سے.... میں نے تمہیں ہزار بار سمجھایا کہ روز اپنا سر دھویا

www.pklibrary.net

کرو۔ کسی طرح جوئیں ختم کرو مگر تم خود ہی بے پروائی سے راز فاش کر دیتی ہو۔"

وہ شرمندہ سی ہو کر سر کھجاتے ہوئے بولی۔

"میں نے تو کتنی چیزوں سے سر دھو کر دیکھ لیا۔ کچھ نہیں ہوتا۔ پتہ نہیں یہ جوئیں کہاں سے آتی ہیں؟ یہ بال میرے پیار کے دشمن بن گئے ہیں۔ آپ سے ملنے کے لیے سر منڈوا لوں گی۔"

اس کے لہجے میں ارادے کی پختگی تھی۔ انور اس کی دیوانگی کو سمجھتا تھا کہ اس کی خاطر وہ اپنے بال کاٹ کر پھینک دے گی۔ اس نے کہا۔

"ایسی حماقت نہ کرنا۔ عورت کا حسن اس کے بالوں سے ہوتا ہے۔ خواہ اس میں جوئیں ہی کیوں نہ ہوں۔ یہ لو سو روپے رکھ لو اور کسی ڈاکٹر کے پاس جاؤ۔ شاید وہ جوئیں مارنے کی کوئی دوا بتا سکے۔"

اس نے سو روپے دیے پھر اس کا ہاتھ پکڑ کر...... کھینچ لیا۔ اسی لمحے کھلنے والے دروازے سے آواز آئی۔

"میں تو آپ سے یہ کہنا بھول ہی گئی......"

صفیہ دروازے پر ٹھٹک گئی۔ انور جمال اچھل کر شبانہ سے الگ ہو گیا مگر صفیہ کو جو کچھ دیکھنا تھا' وہ دیکھ چکی تھی اور دونوں ہاتھوں کی مٹھیاں بھینچ کر غصہ سے لرز رہی تھی۔ اس کے ہونٹ یوں کانپ رہے تھے جیسے بہت ساری گالیاں ایک ساتھ نکلنا چاہتی ہوں اور وہ انہیں تھرتھراتے ہوئے ہونٹوں سے روک رہی ہو۔

"بس..... صفیہ! یہ...... یہ تمہارے جانے کے بعد آئی ہے۔ میں نے نہیں بلایا ہے۔"

"وہ غصے سے پھٹ پڑی۔" آپ نے نہیں بلایا۔ آپ ابھی شریف آدمیوں کی طرح کھڑے ہوئے تھے۔ سب کچھ یہ کر رہی تھی۔ آپ کو شرم سے ڈوب مرنا چاہیے۔ جو اپنی بیوی کے ساتھ باعزت ازدواجی زندگی نہیں گزار سکتا اس سے زیادہ ذلیل اور کمینہ شخص کوئی اور نہیں ہوتا۔"

"صفیہ!" انور جمال نے گرج کر کہا۔ "تم ہوش میں ہو کہ نہیں۔ یہ گالیاں کسے دے رہی ہو؟"

www.pklibrary.net

"ہاں۔ میں آج ہوش میں آئی ہوں۔ آپ یہ گالیاں دینے والی زبان کھینچ لیں۔ اس لیے کہ آپ مجازی خدا بنے بیٹھے ہیں لیکن آپ جو اپنے عمل سے ایک بیوی کے رشتے کو گالیاں دے رہے ہیں' ایک مہذب انسان ہو کر انسانی تہذیب کو گالیاں دے رہے ہیں تو آپ کو اس کی سزا کون دے گا۔ کوئی نہیں۔ کوئی آپ کا گریبان پکڑنے والا نہیں ہے۔ اسی لیے آپ کھل کر یہ کھیل کھیلتے ہیں۔"

انور جمال نے دروازے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"صفیہ! آہستہ بولو۔ دفتر کے لوگ سن رہے ہوں گے۔"

"دفتر کے لوگ اندھے بہرے نہیں ہیں۔ وہ یہ بھی دیکھتے اور سمجھتے ہوں گے کہ یہ لڑکی یہاں کیوں آتی ہے؟ زور زورا دیکھو تو یہ کمینی کتنے اطمینان سے ہمارا جھگڑا دیکھ رہی ہے۔" اس نے شبانہ کے بال پکڑ کر کھینچتے ہوئے کہا۔ "چل نکل یہاں سے۔ کیا یہ تیرے باپ کا دفتر ہے......"

شبانہ نے ایک جھٹکے سے اپنے بالوں کو چھڑا کر صفیہ کو زور کا دھکا دیتے ہوئے کہا۔

"نہ میرے باپ کا دفتر ہے نہ تمہارے باپ کا...... بس میں تمہاری بہت عزت کر چکی' اب سمجھا دیتی ہوں کہ میرے منہ نہ لگنا ورنہ......"

اس کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی انور جمال نے اسے ایک زور کا تھپڑ مارتے ہوئے کہا۔

"تم صفیہ سے بدتمیزی کر رہی ہو۔ میں تمہارا منہ توڑ دوں گا۔ چلو نکلو یہاں سے......"

اس نے ہاتھ پکڑ کر اسے کھینچا مگر شبانہ فرش پر گر کر اس کے قدموں سے لپٹ گئی۔

"میں نہیں جاؤں گی...... یہاں سے نہیں جاؤں گی......"

"یہ نہیں جائے گی۔ میں ہی چلی جاتی ہوں۔" صفیہ روتے ہوئے اپنے آنچل سے آنسو پونچھتے ہوئے دروازہ کھول کر جانے لگی۔

"صفیہ رک جاؤ۔ میری بات سنو......"

وہ دروازے پر آیا تو باہر چپراسی' کلرک' مینیجر اور جنرل مینیجر وغیرہ سب ایک مجمع لگائے کھڑے تھے۔ اس نے گرج کر کہا۔

www.pklibrary.net

"یہاں کیوں کھڑے ہو؟ کیا تماشہ ہو رہا ہے؟ جاؤ اپنا کام کرو۔"

بھیڑ چھٹنے لگی۔ اتنی سی دیر میں صفیہ جا چکی تھی۔ وہ تھوڑی دیر تک گم صم کھڑا رہا۔ بل نے ملازموں سے غصے میں کہا تھا۔ کیا یہاں تماشہ ہو رہا ہے؟ اب یہ سمجھ میں آگیا کہ واقعی دلچسپ اور شرمناک تماشہ ہو چکا ہے۔ دفتر کے ہر شخص کو معلوم ہو چکا ہے کہ وہ اپنی بیوی سے گالیاں سنتا ہے اور خود وہ گالیاں سننے کے کام کرتا ہے اور یہ حقیقت کھل چکی تھی کہ اوپر سے شریف اور صاف ستھرے نظر آنے والے لوگ اندر سے کتنے میلے اور گھناؤنے ہوتے ہیں۔"

اس نے دروازے کو اندر سے بند کیا۔ شبانہ فرش پر بیٹھی ہوئی تھی۔ اس نے تیزی سے قریب آکر اسے ایک ٹھوکر ماری۔

"کمینی بد ذات! تیری وجہ سے میرا گھر برباد ہو رہا ہے۔ باہر والوں کے سامنے بھی میری بے عزتی ہو رہی ہے۔ آخر تو میرا پیچھا کیوں نہیں چھوڑتی؟"

وہ اس کے بال پکڑ کر اسے تڑا تڑ مارتا رہا۔ اس نے منہ سے اف تک نہ کی۔ مار کھاتی رہی اور اس کے قدموں سے لپٹی رہی۔ بعض اوقات پتہ نہیں چلتا کہ قدموں سے خوش نصیبی لپٹ رہی ہے یا بد نصیبی؟ کیوں کہ وہ اسے خوش نصیبی سمجھ کر گلے لگاتا تھا اور بد نصیبی سمجھ کر مار رہا تھا۔ اور بد نصیبی کے لیے یہ بات مشہور ہے کہ نہ وہ زور سے جاتی ہے نہ زر سے۔ ایسے وقت آدمی اسے مار کر دراصل خود کو مارتا ہے۔

جب وہ مارتے مارتے تھک گیا تو صوفے پر بیٹھ کر ہانپنے لگا۔ جوانی کا کچھ نہیں بگڑا تھا۔ بڑھاپا خود ہی تھک ہار کر بیٹھ گیا تھا۔ شبانہ اپنے کپڑے درست کرتے ہوئے اٹھی۔ دوپٹے سے اپنے چہرے اور گردن کو پونچھا پھر میز کی دراز سے آئینہ اور کنگھی نکال کر بکھری ہوئی زلفیں سنوارنے لگی۔ وہ غصے سے بولا۔

"کیا تمہارے پاس ذرا بھی شرم و حیا نہیں ہے؟"

"ہے......" اس نے آئینے سے نظریں ہٹا کر اسے دیکھتے ہوئے کہا۔ "مگر اب آپ کے پاس آکر شرمانے کے لیے کیا رہ گیا ہے؟"

وہ تلملاتا ہوا صوفے سے اٹھ کر اس کے پاس آیا پھر اس کا بازو پکڑ کر جھنجوڑتے ہوئے کہا۔

www.pklibrary.net

"تم ڈھیٹ ہو۔ کوئی دوسری ہوتی تو اتنی مار کھانے کے بعد یہاں ایک لمحے کے لیے بھی ٹھہرنا گوارا نہ کرتی۔"

"دوسری ہوتی تو گوارہ نہ کرتی۔ میں تو آپ کی اپنی ہوں۔"

وہ اسے بے بسی سے دیکھتا ہوا بولا۔

"خدا کے لیے میرا پیچھا چھوڑ دو۔ میں نے تمہیں مارا ہے مجھ سے نفرت کرو۔"

"کیسی نفرت؟ میرا آدمی مجھے نہیں مارے گا تو کیا دوسرا کوئی مارنے آئے گا۔"

وہ سر پکڑ کر کرسی پر بیٹھ گیا۔ شبانہ قریب آکر اس کے سر کو سہلاتے ہوئے بولی۔

"آج میں بہت خوش ہوں۔ پہلے باجی مجھے آپ سے دور بھگاتی تھیں' آج میں نے انہیں بھگا دیا۔ آج مجھے پتہ چل گیا کہ مار کھا کر بھی میدان میں جمے رہو تو جیت اپنی ہی ہوتی ہے۔ اب تک باجی کا ڈر تھا اور دنیا والوں کا ڈر تھا۔ اب وہ میرے دل سے نکل گیا ہے......"

وہ بولتی رہی اور ٹٹول ٹٹول کر اپنے محبوب کے سر سے جوئیں نکالتی رہی۔

وہ شام کو دفتر سے واپس آیا تو گھر میں نواسے نواسیاں کھیل رہے تھے۔ وہ بچوں کو باری باری گود میں لے کر پیار کرنے لگا۔ ایسے وقت اس کا ضمیر ملامت کر رہا تھا کہ وہ اپنے گھر کی جنت کو اپنے ہاتھوں سے جہنم بنا رہا تھا۔ اب وہ اپنے کمرے میں جاتے ہوئے ڈر رہا تھا کیوں کہ بچے آئے ہیں تو صائمہ بیٹی بھی آئی ہو گی۔ وہ گناہ گار بن کر بیوی کا سامنا کر چکا تھا مگر بیٹی سے آنکھ ملانے کا حوصلہ نہیں تھا۔

پھر اس نے دل کو سمجھایا کہ صفیہ سمجھ دار ہے۔ اس نے بیٹی سے بات چھپائی ہو گی اور یہ بھی خیال آیا کہ وہ بہت غصے میں تھی۔ آج سے پہلے اس نے کبھی گستاخی نہیں کی تھی لیکن اب اس کے منہ سے گالیاں بھی نکل چکی تھیں۔ دل کا بوجھ گالیاں دینے سے بھی ہلکا نہ ہو تو اولاد کے سامنے دکھڑا رونے سے کچھ کم ہو جاتا ہے۔ اس نے اپنی بڑی نواسی سے پوچھا۔

"تمہاری امی اور ابو بھی آئے ہیں؟"

"ابو نہیں' امی آئی ہیں۔"

"وہ کیا کر رہی ہیں؟"

www.pklibrary.net

"وہ نانی اماں کے ساتھ رو رہی ہیں۔ ہمیں کمرے سے بھگا دیا۔ نانا! وہ کیوں رو رہی ہیں۔"

بڑا چبھتا ہوا سوال تھا۔ صائمہ بھی یہی سوال کرتی کہ آپ امی کو کیوں رلا رہے ہیں؟

اس کے جی میں آیا کہ گھر سے بھاگ جائے مگر بھاگ کر کہاں جائے؟ کیا اپنا گھر' اپنی بیوی' بچے اپنا کاروبار سب چھوڑ دے؟ کیا احمقانہ خیال ہے۔ جو بویا ہے وہ تو کاٹنا ہی پڑے گا۔ وہ نواسی کو گود سے اتار کر آہستہ آہستہ چلتا ہوا اپنے کمرے کے دروازہ پر پہنچا۔ وہ دونوں پلنگ پر بیٹھی ہوئی تھیں۔ صفیہ اپنی بیٹی کے سینے پر سر رکھے رو رہی تھی اور بیٹی اپنے آنچل سے آنسو پونچھ رہی تھی۔

ایک وقت تھا جب ننھی صائمہ روتی تھی تو صفیہ اسے گود میں لے کر پچکارتی اور اس کے آنسو پونچھتی تھی۔ آنسو پونچھنے والی محبت جو اولاد پر قرض ہوتی ہے' وہ قرض آج بیٹی ادا کر رہی تھی کیوں کہ شوہر کا رومال پرایا ہو گیا تھا۔

صائمہ کی نظریں دروازے تک گئیں اس نے باپ کو دیکھتے ہی اپنے آنسو پونچھتے ہوئے سلام کیا۔ انور جمال شرم سے پانی پانی ہو گیا۔ وہ تو سمجھ رہا تھا کہ بیٹی اپنی ماں کی مظلومیت کا حساب باپ سے لے گی۔ شکایتیں کرے گی یا ماں کی حمایت میں باپ سے منہ پھیرے گی لیکن جو لڑکیاں مشرقی آداب سے واقف ہوتی ہیں۔ وہ ظالم باپ کو بھی ادب سے سلام کرتی ہیں اور یہ سلام غیر مشرقی باپ کے لیے طنز بن جاتا ہے۔ اس نے ندامت سے سر جھکا کر کہا۔

"بیٹے میں اس بات پر شرمندہ ہوں کہ میری ایک غلطی سے تمہاری ماں کی آنکھوں میں آنسو آ گئے لیکن غلطی کس سے نہیں ہوتی۔ جب میں غلطی کی تلافی کرنا چاہتا ہوں تو تمہاری امی کو آنسو نہیں بہانا چاہئیں۔"

صفیہ روتے ہوئے بولی۔

"جی ہاں' مجھے رونا نہیں چاہیے' جشن منانا چاہیے کہ آپ اس کلموہی کو دفتر میں چھپا کر رکھتے ہیں۔"

"صفیہ تم مجھے الزام دے رہی ہو۔ میں تمہارے ساتھ گھر سے دفتر گیا تھا۔ ہمارے

www.pklibrary.net

پہنچنے سے پہلے ہی وہ وہاں جا کر چھپ گئی تھی۔"

"اگر چھپ گئی تھی تو آپ نے اسے مار کر کیوں نہ بھگایا؟ مگر آپ کیسے بھگاتے۔ آپ پر تو پھر جوانی آئی ہے۔"

"بیٹی کے سامنے ایسی باتیں کرتے ہوئے تمہیں شرم آنی چاہیے۔"

"آپ کو شرم نہیں آئی تو پھر مجھے کیوں آئے؟"

"امی۔" صائمہ نے صفیہ کو جھنجوڑ کر کہا۔ "آپ ابو سے کیسی باتیں کر رہی ہیں۔ کیا آپ مہذب انداز اختیار نہیں کر سکتیں۔"

"بیٹی! تم انہیں مہذب انداز سکھا رہی ہو' یہ تو دفتر میں بھی مجھے گالیاں دے کر آئی ہیں۔

صائمہ نے حیرانی اور بے یقینی سے اپنی ماں کو دیکھا۔ وہ منہ پھیر کر بولی۔

"میں نے گالیاں نہیں دیں۔ میں غصے میں تھی' نہ جانے میرے منہ سے کیا کچھ نکل گیا۔"

صائمہ نے کہا۔ "آپ کو ہوش میں رہ کر منہ سے کوئی بات نکالنی چاہیے۔ امی! کیا میں بیٹی ہو کر سمجھاؤں کہ شوہر کی عزت سے عورت کی عزت ہوتی ہے۔ آپ ابو کے خلاف کچھ کہیں گی تو ان کی بدنامی آپ کی' ہماری سب کی بدنامی ہو گی۔ خدا کے لیے غصہ تھوک دیں۔ ابو پریشان ہیں۔ آپ ہی ان کی پریشانی دور کر سکتی ہیں۔"

"صائمہ۔" انور جمال نے کہا۔ "میں تمہارے سامنے تمہاری امی سے اپنی غلطی کی معافی چاہتا ہوں۔"

صفیہ نے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔

"میں نے آپ سے بدکلامی کی ہے۔ آپ مجھے معاف کر دیں۔"

انور اس کے پاس آ کر بیٹھ گیا پھر اس کے آنسو پونچھنے کے لیے اپنی جیب میں ہاتھ ڈالا تو یاد آیا کہ رومال تو شبانہ کے پاس رہ گیا ہے۔ ایسے وقت بیوی کے پاس صرف اپنا ہی آنچل رہ جاتا ہے۔ اس نے اس کے آنچل سے کام لیتے ہوئے کہا۔

"میں نے تمہیں معاف کیا۔ میرے خدا نے تمہیں معاف کیا۔ اب تم بھی انصاف سے کہو۔ کیا میں اس سے پیچھا چھڑانے کی کوشش نہیں کرتا ہوں؟"

www.pklibrary.net

"ہاں، میں نے آپ کو ناحق الزام دیا۔ آپ اس سے بچنے کے لیے میرے ساتھ دفتر جاتے رہے۔ آج آپ نے میرے سامنے اسے مارا بھی ہے۔

"صفیہ! میں نے تمہارے جانے کے بعد بھی اس کی خوب پٹائی کی ہے۔"

"صائمہ نے پوچھا۔" ابو پھر تو وہ مار کھا کر بھاگ گئی ہوگی؟"

انور جمال نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔

"نہیں بیٹے! مصیبت اتنی جلدی نہیں بھاگتی؟"

صفیہ نے چونک کر پوچھا۔

"کیا میرے جانے کے بعد بھی وہ آپ کے پاس رہی تھی؟"

"میں کیا کرتا؟ وہ جانا ہی نہیں چاہتی تھی۔"

"اس لیے آپ نے اسے کلیجے سے لگا کر رکھ لیا۔"

"تم پھر وہی غصہ دکھا رہی ہو۔ کیا مجھے طعنے دینے سے بگڑی بات بن جائے گی؟"

"امی! آپ کو کیا ہو گیا ہے؟ کیا آپ ابو سے سمجھوتہ نہیں کر سکتیں؟"

"میں کیا کروں اور کیا نہ کروں۔ میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا۔ میرے اندر آگ لگی ہوئی ہے۔"

"امی آپ ہی نے مجھے سمجھایا تھا کہ عورت خود جل جاتی ہے مگر اپنے گھر کو جلنے نہیں دیتی۔ آپ کی یہ دانشمندانہ نصیحتیں کیا ہو گئیں؟"

انور جمال وہاں سے اٹھ کر دور چلا گیا پھر پلٹ کر بولا۔

"شیشے میں بال پڑ جائے تو وہ نہ مٹنے والا داغ بن کر رہ جاتا ہے۔ میں اپنی ایک غلطی کی ہزار معافی مانگوں تب بھی تمہاری امی کے دل میں بے اعتمادی کا نہ مٹنے والا داغ رہے گا۔ بیٹی یہ جاننے کے باوجود میں آخری سانس تک تمہاری امی کا اعتماد حاصل کرنے کی کوشش کرتا رہوں گا۔"

صفیہ نے اپنی جگہ سے اٹھ کر کہا۔

"اعتماد اسی طرح بحال ہو سکتا ہے کہ میں جو کہوں آپ وہی کریں۔"

"میں وہی کروں گا۔"

"تو پھر آپ کل سے دفتر نہیں جائیں گے۔"

www.pklibrary.net

"نہیں جاؤں گا لیکن کاروبار کا کیا ہوگا؟"

"کاروبار کے لیے دفتر جانا ضروری نہیں ہے۔ آپ گھر میں بیٹھ کر فون پر پارٹیوں سے رابطہ کر سکتے ہیں اور یہیں بیٹھ کر آفس کے معاملات نمٹا سکتے ہیں۔ کسی پارٹی سے ملنا ہو تو میں آپ کے ساتھ چلوں گی۔"

"مجھے منظور ہے۔ مگر تم یہ دیکھ چکی ہو کہ وہ اب تم سے بھی نہیں ڈرتی ہے۔"

"اس کا تو باپ بھی ڈرے گا۔ ایسے جوتے لگاؤں گی کہ سر کی ساری جوئیں مر جائیں گی۔"

"تو پھر ٹھیک ہے۔ میں کل سے دفتر نہیں جاؤں گا۔ فون پر بہانہ کر دوں گا کہ میں بیمار ہوں۔"

"ہرگز نہیں، بیماری کی خبر سن کر آپ کی وہ سگی عیادت کے لیے یہاں آجائے گی۔ توبہ ہے ایسی بے شرم لڑکی تو میں نے کہیں نہیں دیکھی۔ زبردستی گلے پڑتی ہے۔"

صائمہ نے کہا۔ "اگر ہم اس سے ڈریں گے تو وہ اور سر چڑھے گی۔ میرا خیال ہے کہ اب وہ کوئی ہنگامہ نہیں کرے گی۔ آخر اسے بھی اپنی عزت کا خیال ہوگا۔ امی! اگر ہم اس کے گھر جا کر اس کی ماں کو سمجھائیں کہ اگر شبانہ اپنی حرکتوں سے بدنام ہو گئی تو پھر کہیں سے اس کا رشتہ نہیں آئے گا۔"

"میں تو اماں بی کو سمجھا چکی ہوں۔ تم کہتی ہو تو چلو ہم بڑی بی کو ایک بار پھر سمجھائیں۔"

میاں بیوی کے درمیان سمجھوتہ ہو گیا۔ بیٹی خوش ہو گئی۔ ایسے موقع پر یہ نہیں دیکھا جاتا کہ اپنا گھر بچا کر دوسرے کے گھر میں آگ لگائی جا چکی ہے۔ اب شبانہ جلے، مرے یا زندہ رہے۔ ایسا تو اکثر ہوتا ہے کہ کسی دوشیزہ کو مکھی بنا کر خود ہی دودھ میں ڈالا جاتا ہے پھر گھر کے افراد متحد ہو کر اس مکھی کو نکال پھینکتے ہیں تاکہ گھر کا کمانے والا مرد مکھی کی بیماریوں سے محفوظ رہے۔

دونوں ماں بیٹی شبانہ کے گھر پہنچیں تو وہ انور سے کیے ہوئے وعدے کے مطابق اپنے سر سے جوئیں صاف کر رہی تھی۔ اماں بی چولہے کے پاس بیٹھی ہوئی تھیں۔ شبانہ انہیں دیکھتے ہی چونک گئی۔ صفیہ اسے نفرت سے دیکھتے ہوئے اماں بی کے پاس پہنچ کر بولی۔

www.pklibrary.net

"میں آپ سے صاف صاف بات کرنے آئی ہوں۔ آپ اس لڑکی کو گھر میں تالا ڈال کر رکھیں ورنہ یہ ایسے بدنام ہوگی کہ کوئی رشتہ مانگنے تو کیا یہاں تھوکنے بھی نہیں آئے گا۔"

اماں بی نے کہا۔ "اے بیٹی ذرا آہستہ بولو۔ خواہ مخواہ میری بچی کو بدنام کیوں کر رہی ہو۔"

"میں کیا بدنام کروں گی جب کہ یہ خود بدنام ہونا چاہتی ہے۔ آپ بیٹی سے یہ نہیں پوچھتیں کہ صبح صبح یہ کہاں جاتی ہے؟"

"بیٹی یہ تو اپنی سہیلیوں کے گھر جاتی ہے۔"

"اماں بی۔ یہ کسی سہیلی سے نہیں' کسی یار سے ملنے جاتی ہے۔"

اماں ایک دم سے گھبرا کر شبانہ کو سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگیں۔ شبانہ نے چبھتی ہوئی نظروں سے صفیہ کو دیکھا پھر کنگھی پھینک کر ایک طرف کھڑی ہو گئی۔ اس کے بعد دونوں ہاتھ کمر پر رکھ کر بولی۔

"میں تمہیں باجی کہتی رہی' تمہاری عزت کرتی رہی۔ کبھی تمہارے گھر میں ڈاکا نہیں ڈالا' بلکہ تمہارے گھر کے شریف لٹیرے نے مجھے لوٹا ہے۔ یہ میری شرافت ہے کہ میں نے اسے بدنام نہیں کیا۔ یہ تمہاری ذلالت ہے کہ تم مجھے بدنام کرنے یہاں آگئیں۔ جب کسی یار سے منسوب کر رہی ہو تو پھر یہ کیوں نہیں بتاتیں کہ اس کا نام انور جمال ہے۔"

اماں بی اپنے سینے پر دو ہتڑ مار کر بولیں۔

"اری حرافہ! کیسی بے شرمی سے بول رہی ہے۔ ایسا ہونے سے پہلے تجھے موت آجاتی تو اچھا تھا۔ ہائے بیٹی صفیہ! تم نے مجھ پر اتنے احسانات کئے۔ میں کیا جانتی تھی کہ تمہارے میاں احسانات کا بدلہ میری بیٹی سے لیں گے۔ میں غریب جس کا شوہر گم ہو گیا ہو جس کا کوئی عزیز رشتہ دار نہ ہو۔ وہ کس کے سامنے فریاد کرنے جائے۔"

صفیہ نے کہا۔ "اماں بی! اس طرح رونے سے سارا محلّہ سنے گا۔ میں آپ کی بھلائی کے لئے سمجھانے آئی ہوں۔ اب بھی کچھ نہیں بگڑا ہے۔ دنیا والے کچھ نہیں جانتے۔ ہم جلد از جلد کوئی اچھا لڑکا تلاش کر کے اس بدنامی کو سہاگ کا جوڑا پہنا دیں گے۔"

www.pklibrary.net

شبانہ نے کہا۔ "تمہیں شوق ہے تو تم پہن لو۔"

صائمہ نے قریب آکر پیار سے سمجھایا۔

"شبانہ! امی سے ایسی بات نہ کرو۔ تم کنواری ہو اس لیے تمہاری شادی کی بات کر رہے ہیں۔"

"مگر صائمہ! تمہارے ابو نے تو مجھے سمجھایا ہے کہ شادی صرف دنیا کو دکھانے کی رسم ہے۔ وہ شادی کے بغیر بھی مجھے ساری عمر چاہتے رہیں گے۔"

اس کی باتیں سن کر دونوں ماں بیٹی ایک دوسرے کا منہ تکنے لگیں۔ اماں بی نے روتے ہوئے کہا۔

"سن لو صفیہ! تمہارے میاں میری نادان بچی کو کیسی باتیں سمجھاتے رہے ہیں۔ تمہارے پاس ایمان ہے تو تم خود ہی انصاف کرو کہ میری بیٹی کتنی مظلوم ہے اور تمہارے میاں کتنے ظالم۔"

"اماں بی! میں نے اپنے شوہر سے کتنا جھگڑا کیا ہے اور انہیں کیسی شرم دلائی ہے۔ یہ میرا خدا ہی جانتا ہے لیکن جو کچھ ہو چکا ہے اگر اس کا ہم ماتم کرتے رہیں گے تو بگڑی ہوئی بات کبھی نہیں بنے گی۔ دانش مندی یہی ہے کہ آپ اپنی بیٹی کو سمجھائیں' منائیں یا زور زبردستی سے گھر کی چار دیواری میں بند رکھیں۔ میں نے بھی اپنے شوہر کو دفتر جانے سے روک دیا ہے۔ اب وہ گھر میں رہا کریں گے۔"

شبانہ نے چونک کر پوچھا۔

"کیا وہ گھر میں رہیں گے۔ کیا تم انہیں چوڑیاں پہنا کر بٹھا دو گی؟"

صفیہ نے کہا۔

"میں کیا کروں گی' یہ تمہیں اب پتہ چلے گا۔ تم ان کے سائے تک بھی نہیں پہنچ سکو گی۔"

شبانہ اسے گھورتے ہوئے سوچنے لگی کہ اب کیا ہو گا۔ وہ انور کے سینے پر سر رکھ کر کیسے سوئے گی۔ یوں تو وہ اب بھی راتوں کو جاگتی تھی مگر اس یقین کے ساتھ کہ اگلے دن' اس کے جانے پہچانے بازو کا تکیہ مل جائے گا اور صفیہ پھر اس تکیہ کو اس کے سرہانے سے کھینچ رہی تھی اور اس کی ماں سے کہہ رہی تھی۔

www.pklibrary.net

"مرد ہزار غلطیاں کر کے نیک نام رہتا ہے۔ میرے شوہر کا کچھ نہیں بگڑے گا لیکن میں آپ کا بھی کچھ بگاڑنا نہیں چاہتی۔ اسی لیے سمجھا رہی ہوں کہ اپنی بیٹی کو فوراً شادی کے لیے راضی کر لیں۔"

"کیسے راضی کروں۔ بیٹی تم خود ہی ذرا پیار و محبت سے اس کے دماغ میں یہ بات بٹھاؤ کہ شادی دکھاوے کی رسم نہیں ہے۔ شادی کے بغیر عورت عزت سے اپنا مقام نہیں بنا سکتی۔"

"میں اسے کیسے سمجھاؤں۔ یہ تو مجھے اپنا دشمن سمجھتی ہے۔ بات کرو تو کاٹنے کو دوڑتی ہے"

"اماں! میں نے شبانہ کو سمجھاتی ہوں۔"

صائمہ سمجھانے کے لیے دوسری طرف مڑی مگر دوسری طرف اب شبانہ نہیں تھی۔

"شبانہ کہاں ہو تم......؟" وہ آوازیں دیتی ہوئی کمرے میں گئی۔ غسل خانے میں جھانک کر دیکھا اسٹور روم کا دروازہ کھولا پھر واپس آ کر بولی۔

"امی شبانہ کہیں نہیں ہے۔"

"نہیں ہے؟ یہ اچانک کہاں غائب ہو گئی؟" صفیہ نے پوچھا۔ پھر چونک کر چیخ پڑی۔

"ہائے صائمہ! وہ چڑیل تمہارے ابو کے پاس گئی ہوگی۔ جلدی چلو......"

دونوں ماں بیٹی تیزی سے چلتی ہوئی مکان سے باہر آئیں۔ باہر گلی بہت تنگ تھی۔ اس لیے وہ سڑک پر کار چھوڑ کر آئی تھیں۔ جب وہ وہاں پہنچیں تو کار بھی غائب تھی۔ صفیہ نے جھلا کر کہا۔

"یہ ڈرائیور گاڑی لے کر کہاں چلا گیا۔ میں اسے ملازمت سے نکال دوں گی۔"

صائمہ نے ایک قریبی چائے خانہ کی طرف اشارہ کیا۔

"امی! شاید وہ چائے پینے گیا ہو گا۔"

"ارے تو کیا گاڑی بھی چائے خانے کے اندر لے گیا ہو گا؟"

صائمہ نے آگے بڑھ کر چائے خانہ کے ایک آدمی سے پوچھا۔

"ہاں بی بی جی! ابھی ہمارے محلے کی ایک لڑکی شبانہ اس گاڑی میں بیٹھ کر گئی ہے۔"

صفیہ نے جب یہ سنا تو وہیں کھڑے کھڑے شبانہ کو گالیاں دینے لگی۔ اس کے شوہر

www.pklibrary.net

سے اسی کی گاڑی لے کر ملنے گئی ہے۔ اس وقت صفیہ کو پاگل پن کی حد تک غصہ آرہا تھا۔ غصہ اس لیے بھی آرہا تھا کہ ایسے وقت رکشہ ٹیکسی کا بھی کال پڑ جاتا ہے۔ وہ دونوں تیزی سے چلتی ہوئی بڑی سڑک پر پہنچیں۔ وہاں رکشے اور ٹیکسیاں آندھی طوفان کی طرح گزر رہے تھے کسی کو رکنے کی فرصت نہیں تھی۔ آخر صائمہ نے لفٹ لینے کے ایک کار کو اشارہ کیا۔ کار قریب آکر رک گئی۔ وہاں اسٹیرنگ سیٹ پر ایک لئے خوش پوش ادھیڑ عمر کا آدمی بیٹھا ہوا تھا۔ صائمہ نے کہا۔

"پلیز مجھے اور میری امی کو ذرا سوسائٹی تک......"

"امی؟" کار والے نے ناگواری سے کہا۔ "سوری میں سمجھا تھا تم اکیلی ہو......"

ایک جھٹکے سے کار آگے بڑھی پھر فراٹے بھرتی ہوئی دور چلی گئی۔ صائمہ کے منہ پر گالی آتے آتے رہ گئی۔ اسے اچانک ہی سمجھ آگئی کہ وہ گالی اس کے باپ کو بھی پڑے گی۔"

دوسری طرف صفیہ ایک کار والے کو گالیاں دیتی آرہی تھی۔ صائمہ نے پوچھا۔

"کیا ہوا امی؟"

"کیا بتاؤں' یہ دولت انسان کو اندھا بنا دیتی ہے۔ میں نے اس کمینے سے کہا۔ مجھے اور میری بیٹی کو ذرا سوسائٹی پہنچا دو۔ وہ حیرانی سے بولا۔ بیٹی؟ میں تو تمہیں کنواری سمجھ رہا تھا۔ حرامی کمینہ......"

صائمہ سر اٹھا کر تاریک آسمان کو دیکھنے لگی۔ اس آسمان کے نیچے جس زمین پر وہ کھڑی ہوئی تھی۔ وہ زمین کار والوں کی ہیڈلائٹس سے روشن تھی۔ اس روشنی میں معزز لوگ کسی کنواری یا اکیلی عورت کو تلاش کر رہے تھے۔ آخر کار ایک ٹیکسی مل گئی۔ جب وہ دونوں ٹیکسی میں بیٹھ کر اپنی کوٹھی کے احاطے میں پہنچیں تو ڈرائیور کار کی صفائی کر رہا تھا۔ صفیہ نے غصے سے پوچھا۔

"تم کس کی اجازت سے گاڑی یہاں لائے ہو؟"

"جی بیگم صاحبہ! اجازت کون دیتا جی۔ شبانہ بی بی جی نے کہا کہ آپ ان کے ہاں رات کا کھانا کھائیں گی جی اور آپ نے صاحب جی کو بھی وہاں بلایا ہے۔ بس جی میں شبانہ بی بی جی کے ساتھ صاحب جی کو لینے آگیا۔ میں تو حکم کا بندہ ہوں......"

www.pklibrary.net

وہ غصے سے پیر پٹختی ہوئی مکان میں داخل ہوئی۔ اس کا غصہ ایسا تھا کہ جیسے شبانہ کو چیر پھاڑ کر رکھ دے گی لیکن ڈرائنگ روم میں پہنچتے ہی ٹھٹک گئی۔ وہاں اس کا داماد' صائمہ کا شوہر توفیق بیٹھا ہوا تھا۔ اب وہ داماد کی موجودگی میں نہ تو شبانہ کی چوٹی پکڑ سکتی تھی' نہ ہی شوہر کے گریبان پر ہاتھ ڈال سکتی تھی۔ توفیق نے پوچھا۔

"آنٹی آپ پریشان نظر آرہی ہیں۔ یہ گڑیا کہہ رہی تھی کہ امی اور نانی اماں رو رہی تھیں۔"

صفیہ نے جبراً مسکراتے ہوئے کہا۔

"ارے وہ۔ صائمہ نے ایک لطیفہ سنایا تھا۔ ہنستے ہنستے آنسو آگئے تھے۔ بچوں نے سمجھا کہ ہم رو رہے تھے۔ البتہ سر کے درد سے پریشان ہوں۔ تم صائمہ سے باتیں کرو میں ابھی آتی ہوں۔"

وہ داماد کو مزید کچھ کہنے کا موقع دیے بغیر تیزی سے اپنے کمرے کی طرف چلی گئی۔

توفیق نے اپنی بیوی سے کہا۔

"یہاں آکر بیٹھو' وہ لطیفہ مجھے بھی سناؤ تاکہ ہنستے ہنستے آنسو آجائیں۔ ابھی دس منٹ پہلے میں نے تمہارے ابو کے کمرے میں شبانہ کی آنکھیں بھیگی ہوئی دیکھیں۔ شاید تمہارے ابو بھی اسے کوئی لطیفہ سنا رہے تھے۔"

صائمہ نے کہا۔ "آپ طنز نہ کریں۔ امی اپنے ہوش میں نہیں ہیں۔ اپنی پریشانیاں چھپانے کے لیے الٹی سیدھی باتیں کر رہی ہیں۔"

"تم تو ہوش میں ہو۔ مجھے یقین ہے کہ تم مجھ سے کچھ نہیں چھپاؤ گی۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ آنٹی کی پریشانیاں دور کرنے کی ہر ممکن کوشش کروں گا۔"

میں گھر پہنچ کر آپ کو سب کچھ بتادوں گی۔ ابھی ہمارا یہاں ٹھہرنا مناسب نہیں ہے اس سے پہلے کہ امی ہمیں ڈنر کے لیے کہیں۔ ہمیں یہاں سے چپ چاپ نکل جانا چاہیے۔"

توفیق اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔ دوسری طرف صفیہ تیزی سے چلتی ہوئی اپنے کمرے میں پہنچی تو انور جمال وہاں تنہا نظر آیا۔ وہ مٹھیاں بھینچ کر دانت پیستی ہوئی اور داماد کے خیال سے اپنی آواز کو دباتے ہوئے بولی۔

www.pklibrary.net

"وہ کمینی بدذات کہاں ہے؟"

انور جمال کے چہرے سے گھبراہٹ اور پریشانی عیاں تھی۔ وہ التجا آمیز لہجے میں بولا۔
"صفیہ! ذرا صبر سے۔ توفیق میاں کو چلا جانے دو پھر تم میری گردن پر چھری پھیر دینا۔"

"میں خود مر رہی ہوں' آپ کو کیا ماروں گی۔ مرتے مرتے بھی آپ کی عزت کا خیال کرتی ہوں۔ اپنی آواز کو دباتی ہوں۔ اپنے غصے کو کچلتی ہوں۔ دو کوڑی کی ایک لڑکی کے آگے میرے ازدواجی حقوق مٹی میں ملا رہے ہیں پھر بھی میں شور نہیں مچا رہی ہوں۔ بیٹی میرے آنسو کب تک پونچھے گی؟ میں توفیق میاں سے کب تک حقیقت چھپاؤں گی؟"

"تم یقین کرو صفیہ! تھوڑی دیر پہلے میں شبانہ کو یہی سمجھا رہا تھا کہ وہ میری عزت کا خیال کرے۔ میری اپنے گھر میں عزت نہ رہی۔ میں دفتر میں بدنام ہو گیا۔ اب یہ بدنامی آگے بڑھے گی تو میں توفیق میاں سے نظریں نہ ملا سکوں گا۔ میں نے اسے ہر طرح سے سمجھایا مگر وہ سمجھنا ہی نہیں چاہتی۔"

"اسے سمجھنے کی ضرورت ہی کیا ہے جب کہ وہ تنہائی میں آپ کو اچھی طرح سمجھا کر پگھلا دیتی ہے۔ اسے تو میں یہاں سے دھکے دے کر نکالوں گی۔ کہاں ہے وہ؟"

میں یہاں ہوں......" شبانہ باتھ روم کے دروازے سے باہر آ کر کھڑی ہو گئی پھر دونوں ہاتھ کمر پر رکھ کر بولی۔ "تم انہیں اگر قیدی بنا کر رکھو گی تو میں یہاں سے کبھی نہیں جاؤں گی۔"

"کیسے نہیں جائے گی۔ یہ میرا گھر ہے۔" صفیہ نے آگے بڑھ کر اس کو گریبان سے پکڑ لیا۔ اس نے صفیہ کے بالوں کو مٹھی میں جکڑ لیا۔ انور جمال دونوں کو ایک دوسرے سے الگ کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ وہ ایک دوسرے کو مار رہی تھیں اور نوچ کھسوٹ رہی تھیں۔ انور جمال کو بھی کئی ہاتھ پڑ گئے۔ اس نے بڑی مشکلوں سے دونوں کو الگ کیا پھر شبانہ کو ڈانٹ کر کہا۔

"تم کب تک مصیبت بنی رہو گی۔ تمہاری وجہ سے میرا سکون برباد ہو گیا ہے۔ جی چاہتا ہے کہ کہیں بھاگ جاؤں۔"

شبانہ نے کہا "یہی تو میں اتنی دیر سے سمجھا رہی تھی کہ ہم کہیں بھاگ جائیں گے مگر

www.pklibrary.net

آپ ہمت ہی نہیں کرتے۔"

"میں تمہارے ساتھ نہیں، تنہا بھاگنا چاہتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے۔ پہلے آپ تنہا بھاگ جائیں۔ میں بعد میں آجاؤں گی۔"

"اف!" وہ دونوں ہاتھوں سے اپنا سر پیٹنے لگا۔ صفیہ کو اس پر ترس آگیا۔ وہ ذرا نرم پڑ کر شبانہ سے بولی۔

"کیا تمہیں ان پر ترس نہیں آتا۔ اس طرح تو یہ پاگل ہو جائیں گے۔"

شبانہ نے پوچھا "ہو جائیں گے کیا مطلب؟ یہ تو بہت پہلے ہی کہہ چکے ہیں کہ شبانہ میں تمہارے لیے پاگل ہو چکا ہوں۔"

صفیہ نے گھور کر انور کو دیکھا۔ انور نے جلدی سے ہاتھ جوڑ کر کہا۔

"خدا کی قسم یہ بات میں نے دو ماہ پہلے کہی تھی۔ اب تو میں پچھتا رہا ہوں۔"

"اگر پچھتا رہے ہیں تو پھر اسے جوتے مار کر یہاں سے نکال دیں۔ یہ باتوں سے نہیں مانے گی۔"

انور جمال نے شبانہ کا ہاتھ پکڑ کر کھینچتے ہوئے کہا۔

"تم سچ مچ باتوں سے نہیں مانو گی۔ میں تمہیں دھکے دے کر نکالوں گا۔"

وہ اپنا ہاتھ چھڑانے لگی۔ صفیہ نے پوچھا۔

"آپ اسے مارتے کیوں نہیں؟"

انور نے تڑاخ سے اسے ایک طمانچہ رسید کیا۔ شبانہ نے اپنے گال پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"آپ اپنی مردانگی دکھانے کے لیے ماریں گے تو میں خوشی سے مار کھالوں گی اور اگر بیوی کے کہنے پر ماریں گے تو پھر میں اپنی عزت کا بھی خیال نہیں کروں گی۔ اور شور مچانا شروع کر دوں گی۔"

صفیہ نے کہا "آپ اس کی دھمکیوں میں نہ آئیں۔ اس کی ہڈیاں پسلیاں توڑ کر رکھ دیں۔"

انور نے اسے دو چار ہاتھ اور جمائے پھر اسے بالوں سے پکڑ کر فرش پر گرا دیا اور لاتوں سے مارنے لگا۔ اسی لمحے شبانہ نے زور کی چیخ ماری۔ چیخ کی آواز آس پاس کی

www.pklibrary.net

کوٹھیوں تک ضرور پہنچی ہوگی۔ انور جمال سہم گیا کیونکہ چیخ کے ذریعے بدنامی نشر ہو رہی تھی۔ شبانہ نے ہذیانی انداز میں دوسری بار چیخ ماری۔ انور نے فرش پر بیٹھ کر اس کے منہ پر سختی سے ہاتھ رکھ دیا۔

"یہ کیا پاگل پن ہے۔ کیا تم مجھے بدنام کرنا چاہتی ہو؟"

شبانہ نے اپنے منہ سے اس کا ہاتھ ہٹا کر کہا۔

"آپ میرے ساتھ کون سی بھلائی کر رہے ہیں۔ میں پھر سمجھا دیتی ہوں کہ آپ مجھے اپنا سمجھ کر ماریں۔ دوسروں کے کہنے پر دشمن بن کر ماریں گے تو میں بھی دشمن بن جاؤں گی۔"

"کیا یہ دشمنی نہیں ہے کہ تم مجھے پریشان کر رہی ہو؟"

"جب آپ نے مجھے محبت کا سبق سکھایا تو وہ دشمنی نہیں تھی۔ اب میں محبت سے مجبور ہو کر آپ کے قدموں سے لپٹ رہی ہوں تو آپ اسے دشمنی کہہ رہے ہیں۔ آپ کیسی دوغلی باتیں کرتے ہیں۔ مجھے سمجھائیے کہ جو پہلے محبت تھی وہ اب دشمنی کیسے ہو گئی؟"

وہ بڑی بے بسی سے بولا۔

"میں کیسے سمجھاؤں؟ دراصل پہلے میں نے غلط کہا تھا۔ ہم نے جو کچھ کیا۔ وہ محبت نہیں تھی.... بے شرمی تھی۔"

"اچھا تو اب آپ شرم کریں۔ اس بے شرمی کو محبت میں بدل دیں۔ مجھ سے شادی کرلیں۔"

صفیہ ایسے ہی وقت کے لیے ڈر رہی تھی کہ وہ چھوکری کبھی سوکن بننے کی ضد نہ کرے اسی لیے وہ اپنے شوہر سے اسے دور بھگاتی رہی تھی مگر وہ تو جونک کی طرح چمٹ گئی تھی اور اب شادی کا مطالبہ شروع کردیا تھا۔ صفیہ اسے مارنے کے لیے آگے بڑھی۔

"کمینی تو میری سوکن بننا چاہتی ہے۔ میں تجھے زندہ نہیں چھوڑوں گی۔"

شبانہ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر پرے ہٹاتے ہوئے کہا۔

"تم خود ہی تو کہہ رہی تھیں مجھے شادی کرلینی چاہیے۔ میں کوئی ایسی ویسی لڑکی تو ہوں نہیں کہ شادی کا سبق تمہارے میاں سے پڑھ کر آموختہ کسی دوسرے کو سناؤں۔ کیا

www.pklibrary.net

تم بھی انور صاحب سے شادی کرنے سے پہلے کہیں سے سبق پڑھ کر آئی تھیں؟"

"اری او حرافہ! میں تیری زبان کھینچ لوں گی۔"

"یعنی میری یہ بات اتنی بری ہے کہ تم میری زبان کھینچ لوگی اور تم جو یہی شرمناک مشورہ مجھے دے رہی ہو تو ایسے وقت ایک عورت ہو کر تمہیں ذرا بھی شرم نہیں آتی۔ کیا تم ذرا بھی انصاف سے نہیں سوچتیں کہ میں غریب ہوں تو کیا ہوا' بازاری نہیں ہوں۔ ہر شریف لڑکی کی طرح میرا بھی خدا ایک ہے' میرا مرد بھی ایک ہی ہوگا۔ میں اپنی جان دے دوں گی مگر کسی دوسرے مرد کا منہ نہیں دیکھوں گی۔"

"بڑی آئی شریف زادی۔ میں تجھے اپنی سوکن نہیں بننے دوں گی۔" پھر وہ انور سے بولی "آپ خاموش کیوں بیٹھے ہیں۔ کیا آپ بھی اس سے شادی کرنا چاہتے ہیں؟"

انور نے کہا "شادی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ شبانہ! میں تمہیں سمجھا چکا ہوں کہ ہماری عمروں کے درمیان زمین و آسمان کا فاصلہ ہے۔ ہمیں میاں بیوی کے روپ میں دیکھ کر دنیا والے مذاق اڑائیں گے پھر یہ کہ میرا بڑھاپا ایک ایسا پرانا شکستہ سا پلنگ ہے جو زیادہ عرصہ تک جوانی کا بوجھ نہیں برداشت کرسکے گا۔ کسی بھی وقت ٹوٹ جائے گا۔"

شبانہ نے کہا "میں بھی آپ سے کہہ چکی ہوں کہ آپ کے لیے بھری جوانی میں بوڑھی بن جاؤں گی لیکن آپ سے دور نہیں رہوں گی۔"

صفیہ اپنے بالوں کو مٹھی میں جکڑ کر پاگل ہو جانے کے انداز میں چیخنے لگی۔

"یہ مصیبت کسی طرح میرا پیچھا نہیں چھوڑے گی اور میں اپنے اوپر سوکن کبھی برداشت نہیں کروں گی۔ میرے سرتاج! میرے مجازی خدا! جب آپ ہی نے اسے گلے لگا کر مجھ سے دشمنی کی ہے تو میں کسی کو کیا الزام دوں؟ اب آپ اس سے بیاہ رچائیں۔ میں یہ گھر چھوڑ کر جا رہی ہوں۔ کہیں جا کر اپنی جان دے دوں گی۔"

وہ غصے میں منمناتی ہوئی کمرے سے باہر چلی گئی۔ انور جمال نے آگے بڑھ کر اسے آواز دی۔

"صفیہ! ٹھہر جاؤ' پاگل نہ بنو۔ اتنی رات کو تنہا کہاں جاؤ گی؟"

شبانہ نے پیچھے سے قمیص کا دامن پکڑ کر پوچھا۔

"آپ مجھے چھوڑ کر کہاں جا رہے ہیں؟"

www.pklibrary.net

اس نے بڑی نرمی سے التجا کی۔

"میں تمہیں چھوڑ کر نہیں جارہا ہوں۔ مجھے صفیہ کو روکنے دو۔ اگر وہ غم اور غصے کی حالت میں جان پر کھیل گئی تو میں کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہوں گا۔"

وہ جلدی سے پیچھا چھڑا کر کمرے سے باہر آیا پھر دوڑتا ہوا ڈرائنگ روم سے گزر کر باہر پورچ میں آیا۔ صفیہ کوٹھی کے احاطے سے باہر جارہی تھی۔ وہ دوڑتا ہوا اس کے قریب پہنچ گیا پھر ہانپتے ہوئے بولا۔

"وہ نادانی کررہی ہے۔ خدا کے لیے عقل سے کام لو اتنی رات گئے باہر نہ جاؤ۔"

"تو کیا اسے سوکن بنا کر بٹھالوں؟ اس سے پہلے کہیں جا کر اپنی جان دے دوں گی۔"

"میں قسم کھا کر کہتا ہوں' اس سے شادی نہیں کروں گا۔ اس سے نجات پانے کی ایک تدبیر ہے۔ اگر تم میرا ساتھ دو...."

"کیا تدبیر ہے' جلدی بتایئے؟"

"صفیہ! تم آج رات شبانہ کو اپنے گھر میں برداشت کرلو۔ کل تم ہنستے بولتے اسے رخصت کرتے وقت کہنا کہ وہ ہر رات ہمارے یہاں آجایا کرے۔ اس طرح وہ شادی کے لیے ضد نہیں کرے گی۔"

"آخر کو آپ مرد ہیں نا' اپنے فائدے والی تدبیر سوچیں گے۔ میں اسے ایک منٹ کے لیے برداشت نہیں کروں گی۔"

"صفیہ! پہلے تم میری پوری بات تو سن لو۔ میری تدبیر یہ ہے کہ کل جب وہ اپنے گھر چلی جائے گی تو ہم اپنا سامان باندھیں گے' کوٹھی لاک کریں گے اور کسی دوسرے شہر چلے جائیں گے پھر جب تک شبانہ کی شادی کی خبر نہ ملے' واپس نہیں آئیں گے۔ ٹھیک ہے؟"

صفیہ نے خوش ہو کر اس کے سینے پر اپنا سر رکھ دیا۔

○☆○

وہ کراچی چھوڑ کر صفیہ کے ساتھ حیدر آباد آگیا اور وہاں دو بیڈ روم ایک ڈرائنگ روم کی چھوٹی سی کوٹھی کرائے پر لے لی۔ یہ بات صرف اس کی بیٹی داماد اور اس کے جنرل منیجر کو معلوم تھی۔ جنرل منیجر دفتری معاملات کے سلسلے میں رابطہ رکھتا تھا۔ وصائمہ اور توفیق یہ مخبری کرتے تھے کہ شبانہ کس حال میں ہے اور شادی کے لیے راضی ہو رہی ہے یا

www.pklibrary.net

نہیں؟"

پہلے دو ہفتوں تک خبر ملتی رہی کہ شبانہ بولائی بولائی سی پھرتی رہتی ہے۔

"کب تک ماری ماری پھرے گی۔ آخر ہار پچھتا کر شادی کرلے گی۔ جوان لڑکی ہے اس طرح گھومتی پھرتی رہے گی تو غنڈے بدمعاش اٹھا کر لے جائیں گے۔"

انور جمال اس سے پیچھا چھڑا کر آتو گیا تھا مگر اس کا ضمیر ملامت کررہا تھا کہ ایک لڑکی کو بچپن کی ٹھنڈی چھاؤں سے نکال کر اس نے جوانی کی دھوپ میں جلنے کے لیے چھوڑ دیا ہے۔ آخر کوئی تو خطا ہوتی ہے جس کی سزا خطار دار کو دی جاتی ہے۔ شبانہ نے کون سی غلطی کی تھی؟ اس نے اپنی معصوم راتوں میں اسے بلایا نہیں تھا' وہ خود محبت کا فریب دینے اور اس کی نیند کا سودا کرنے پہنچا تھا۔

جب سودا طے ہوگیا تو وہ اب قیمت ادا کرتے رہنے سے کترا رہا تھا۔ اپنا گھر' اپنی بیوی اور اپنی عزت کی سلامتی کے لیے ایک مجبور لڑکی کو بے عزتی کی راہوں میں بھٹکنے کے لیے چھوڑ آیا تھا اور اب چپ چاپ پچھتا رہا تھا۔ کھانے کے لیے بیٹھتا تو نوالہ حلق سے نہ اترتا۔ نگاہوں کے سامنے وہ گلی گلی اسے پکارتی نظر آتی۔ راتوں کو کروٹیں بدل بدل کر صبح کردیتا۔ یہی سوچتا رہ جاتا کہ وہ سر کھجا کھجا کر جاگ رہی ہوگی۔

صفیہ اپنے شوہر کی خاموش پریشانیوں کو سمجھ رہی تھی۔ وہ اس کی دل جوئی کرتی تھی۔ اس کے لیے دیر تک راتوں کو جاگنے لگی تھی۔ بیوی کی خدمت گزاری دیکھ کر وہ سوچتا کہ صفیہ کا بھی کوئی قصور نہیں ہے۔ وہ بھی اپنے سہاگ کی سلامتی کے لیے اسے شبانہ سے چھڑا کر لائی ہے اور اپنے حقوق کو بحال رکھنے کی خاطر اپنے فرائض ادا کررہی ہے۔

قصور اس کا بھی نہیں تھا اور اس کا بھی نہیں تھا۔ وہ خود ہی خطاوار تھا۔ دو ماہ گزر گئے خبر ملی کہ جس کوٹھی کو وہ لاک کرکے آئے تھے' اس میں سے ٹی وی' ریڈیو' گھڑی اور دوسری قیمتی چیزیں چوری ہوگئیں۔ پانچ ماہ بعد ایسٹرن تمباکو کمپنی سے نوٹس ملا کہ انور جمال ایجنسی کی کارکردگی مایوس کن ہے اگر کاروبار پر توجہ نہ دی گئی تو ایجنسی ختم کردی جائے گی۔

انور جمال نے صرف ایک غلطی کی تھی اور اس کا ردعمل چاروں طرف سے نقصان

www.pklibrary.net

اور تباہی کی صورت میں ظاہر ہو رہا تھا۔ ایک روز صائمہ اور توفیق ان سے ملنے حیدر آباد آئے۔ توفیق نے کہا۔

"انکل! آپ اس لڑکی کی وجہ سے کس طرح تباہ ہو رہے ہیں۔ یہ آپ خود سمجھ رہے ہیں مگر وہ نہیں سمجھتی۔ اس نے اب تک شادی نہیں کی۔ آپ کب تک اپنا گھر اور کاروبار چھوڑ کر یہاں بیٹھے رہیں گے۔"

انور جمال اس سلسلے میں اپنے داماد سے باتیں کرتے ہوئے ہچکچاتا تھا۔ اسے شدت سے احساس ہوتا تھا کہ سسر اور داماد کے درمیان یہ موضوع انتہائی شرم ناک ہے۔ اسے کہیں ڈوب مرنا چاہیے۔ وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ توفیق نے پوچھا۔

"انکل! آپ نے جواب نہیں دیا؟"

"کیا جواب دوں۔ بس ایک ہی راستہ ہے کہ مر جاؤں۔"

صفیہ نے کہا "مریں آپ کے دشمن.... آپ ہمیشہ مجھے دکھ پہنچانے والی باتیں سوچتے ہیں۔ اس حرافہ کا کیا جائے گا۔ آپ کے بعد وہ کسی سے شادی کر لے گی۔ میں کس کے سہارے جیوں گی؟"

وہ ایک دم سے جھلا گیا "میں کیا جانوں کہ تم کس طرح جیو گی۔۔ میں بھی تو مر مر کر جی رہا ہوں۔ میری بھوک مر گئی۔ میری نیند اڑ گئی۔ میری عزت خاک میں مل گئی۔ میرا کاروبار تباہ ہو گیا۔ اب زندہ رہنے کے لیے کیا رہ گیا ہے؟ کچھ نہیں..... جب کچھ نہیں رہا تو مجھے جلد از جلد اپنی موت کا آخری فیصلہ کرنا چاہیے۔"

یہ کہہ کر وہ تیزی سے چلتا ہوا ڈرائنگ روم سے نکلا پھر کاریڈور سے گزرتا ہوا بیڈ روم میں پہنچ گیا۔ کمرے میں پہنچتے ہی وہ چونک گیا۔ کھلی ہوئی کھڑکی کے پاس شبانہ کھڑی ہوئی تھی۔ اسے دیکھتے ہی دل دھک سے رہ گیا۔ وہ بچپن کی شاخ سے ٹوٹی ہوئی کلی' جوانی کی بہار میں آکر اجڑ گئی تھی۔ اس کے لانبے بال گرد سے اٹے ہوئے تھے شکن آلود لباس کتنی ہی جگہ سے پھٹا ہوا تھا' ننگے پیروں میں تلاش کے چھالے پڑے ہوئے تھے۔ جو پھوٹ کر زخم بن گئے تھے۔

انور نے سوچا "اب یہ میری بے وفائی پر طعنے دے گی۔ صفیہ کی طرح منہ سے گالیاں بھی نکالے گی اور پھر سے ہنگامے کھڑے کرے گی۔" لیکن جب اس نے دونوں بازو

www.pklibrary.net

پھیلائے تو وہ دوڑتی ہوئی آکر اس کے سینے سے چپک گئی۔

انور نے پھر سوچا "اب یہ روئے گی اور اسے چھوڑ کر آنے کی شکایتیں کرے گی...." لیکن وہ بالکل چپ تھی۔ اس نے کچھ پوچھنے کے لیے اپنے بازوؤں کی گرفت ذرا ڈھیلی کی تو وہ فرش پر گرنے لگی۔ تب پتہ چلا کہ وہ بے ہوش ہو چکی ہے۔ اس نے اسے سنبھال کر فرش پر لٹایا۔ وہ بے ہوشی کی حالت میں ایسی معصوم اور مظلوم نظر آرہی تھی کہ انور جمال مارے شرم کے رونے لگا۔

رونے کی کیا ضرورت تھی؟ اس لڑکی نے تو شکایت نہیں کی تھی۔ اس کا زخم کی طرح کھلا ہوا چہرہ بتا رہا تھا کہ وقت نے اس کے منہ پر کتنے طمانچے مارے ہیں۔ وہ منہ سے کچھ نہیں بول رہی تھی اس کے پاؤں کے چھالے کہہ رہے تھے کہ وہ سات ماہ سے دوڑتے دوڑتے آج منزل پر پہنچ کر بے ہوش ہو گئی ہے۔ اس کی دوڑ بے ہوش ہونے کی حد تک نہیں تھی۔ اگر وہ نہ ملتا تو وہ باؤلی زندگی کی انتہا اور موت کی ابتدا تک دوڑتی رہتی۔

انور جمال نے تڑپ کر سوچا کہ اسے کاندھے پر لاد کر کہیں دور بھاگ جائے۔ ساری دنیا سے ناطہ توڑ لے۔ سوچنا تو بہت آسان ہوتا ہے لیکن اس پر عمل کرنے کا وقت آتا ہے تو پاؤں میں پرانے رشتوں کی زنجیر پڑ جاتی ہے۔ سوسائٹی سے حاصل کی ہوئی عزت ہاتھ تھام لیتی ہے اور سب سے بری بزدلی ہوتی ہے جو ڈانٹ کر ایک طرف بٹھا دیتی ہے۔

وہ سوچنے کے دوران اسے ہوش میں لانے کی تدبیر کرتا رہا۔ وہ ہوش میں آئی تو نگاہوں کے سامنے اپنے محبوب کو دیکھتے ہی رونے لگی۔ انور جمال نے اس کے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔

"میں شرمندہ ہوں کہ تمہیں چھوڑ کر یہاں چلا آیا۔"

"آپ کیوں شرمندہ ہوتے ہیں۔ میں اچھی طرح جانتی ہوں کہ باجی نے ہم کو چھڑایا ہے۔"

اسے اطمینان ہوا کہ وہ اسے فریبی نہیں سمجھ رہی ہے۔ اس نے پوچھا۔

"تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ میں یہاں ہوں۔"

"جب سے آپ غائب ہوئے تھے' میں ہر ایک سے پوچھتی پھرتی تھی۔ صائمہ تو کبھی

www.pklibrary.net

نہ بتاتی۔ اس لیے میں دفتر کے لوگوں کے پیچھے پڑ گئی۔ وہاں بھی کسی نے کچھ نہیں بتایا۔ آخر تھک ہار کر مجھے ذرا بے شرم بننا پڑا۔ میں نے چپراسی کو مسکرا کر دیکھا تو اس نے مجھے بتا دیا کہ جنرل منیجر کے سوا کوئی بھی صاحب کا پتا نہیں جانتا ہے۔ پھر میں نے آپ کے نوجوان منیجر سے عشق شروع کردیا۔ ایک دن اس کے ساتھ پارک گئی' دوسرے دن سینما دیکھا۔ آج تیسرے دن اس نے اپنے گھر بلایا۔ میں نے کہا۔ صرف ایک شرط پر آؤں گی۔ پہلے اپنے صاحب کا پتا بتاؤ۔ بے چارے عاشق نے بتا دیا۔ میں یہاں آگئی۔ وہ وہاں اپنے گھر میں میرا انتظار کر رہا ہوگا۔"

انور جمال اسے یک ٹک دیکھنے لگا۔ جو لڑکی صرف سر کھجانے اور جوئیں مارنے کے سوا کچھ نہیں جانتی تھی۔ اسے انور جمال کے عشق نے اتنا چالاک بنا دیا تھا کہ اب وہ دوسروں کو عشق کا فریب دے کر اپنی منزل کا سراغ لگا لیتی ہے۔ کوئی عورت چالاک بن کر پیدا نہیں ہوتی' مرد کے ہاتھوں میں کھیلنے کے بعد مکاری سے جینے کے ڈھنگ سیکھتی ہے۔

انور جمال کو مزید کچھ کہنے سننے کا موقع نہ ملا۔ صفیہ' صائمہ اور توفیق وہاں پہنچ گئے۔ شبانہ کو دیکھتے ہی پھر ہنگامہ شروع ہوگیا کہ وہ کیوں آئی؟ کیسے آئی؟ اسے مار پیٹ کر گھر سے نکالو... شبانہ تھکن سے نڈھال تھی پھر بھی میدان میں جم کر کھڑی ہوگئی۔ توفیق نے کہا۔

"لڑائی جھگڑے سے کچھ حاصل نہ ہوگا بلکہ ہم یہاں بھی بدنام ہو جائیں گے۔"

صفیہ نے غصے میں پوچھا "کیا میں بدنامی کے ڈر سے اسے اپنی سوکن بنالوں؟"

شبانہ نے عاجزی سے ہاتھ جوڑ کر کہا۔

"باجی! میں لڑنا بھی جانتی ہوں اور مجھے جھکنا بھی آتا ہے۔ میں قسم کھا کر کہتی ہوں کہ مجھے آپ کی عالی شان کوٹھی نہیں چاہیے۔ آپ کے شوہر کی دولت کا ایک پیسہ بھی نہیں چاہیے۔ میں آپ کی سوکن بھی نہیں بننا چاہتی۔ میں تو صرف اتنا چاہتی ہوں کہ آپ انور صاحب کو مجھ سے دور نہ کریں.... نہ کریں باجی! نہیں تو مرتے دم تک اسی طرح لڑتی رہوں گی۔"

توفیق نے انور جمال سے کہا۔

"انکل! آپ اس لڑکی کو اپنا آخری فیصلہ سنا دیں کہ یہ ساری عمر لڑتی رہے گی تب

www.pklibrary.net

بھی آپ اسے دھتکارتے رہیں گے۔"

کمرے میں ایک طرف شبانہ کھڑی تھی۔ دوسری طرف بیوی بیٹی اور داماد تھے۔ ان کے ساتھ خاندانی عزت اور سماجی نیک نامی تھی۔ شبانہ کے ساتھ صرف اس کی دیوانگی تھی۔ لہٰذا اسے داماد کی بات ماننی پڑی۔ اس نے ذرا سخت لہجے میں پوچھا۔

"شبانہ تم کیا چاہتی ہو کہ میں بیٹی اور داماد کی نظروں سے بھی گر جاؤں؟ تم خود سوچو کہ تم نے مجھے کہاں کہاں بدنام نہیں کیا۔ تمہاری وجہ سے میرا کاروبار تباہ ہوگیا۔ میرا گھر جہنم بن گیا اور میں خانہ بدوش کی طرح بے گھر ہو کر رہ گیا ہوں۔ میں تم سے آخری بار کہتا ہوں کہ میرا پیچھا چھوڑ دو ورنہ....."

شبانہ نے قطع کلامی کرتے ہوئے کہا۔

"ورنہ آپ یہاں سے بھاگ کر کسی دوسری جگہ چلے جائیں گے۔ آپ کیسے مرد ہیں۔ بیوی کہتی ہے کہ مارو تو آپ مجھے مارنے لگتے ہیں۔ داماد کہتا ہے کہ چھوڑو تو آپ مجھے چھوڑنے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔ آپ کے پاس اپنا دماغ اور اپنے ارادے نہیں ہیں۔"

انور جمال نے کہا "ہر انسان کے پاس اپنا دماغ ہوتا ہے لیکن سوسائٹی میں اپنا مقام بنانے کے لیے اور خاندان میں اپنی عزت کو قائم رکھنے کے لیے اسے دوسروں کی خواہش کے مطابق عمل کرنا پڑتا ہے۔ تم مجھ سے بحث نہ کرو۔ یہاں سے چپ چاپ چلی جاؤ۔"

وہ ہاتھ نچا کر بولی "آپ نے کہا اور میں چلی گئی۔ واہ میری بے غرض محبت کا بہت اچھا صلہ دے رہے ہیں۔"

"مجھے تم سے محبت نہیں ہے۔" وہ چیخ کر بولا۔

"ہے۔" وہ بھی چیخ کر بولی "آپ بیوی اور داماد کے ڈر سے انکار کر رہے ہیں۔ آج آپ کو ڈنکے کی چوٹ پر اعلان کرنا ہوگا کہ آپ مجھ سے محبت کرتے ہیں۔ ورنہ میں یہیں جان دے دوں گی۔"

"تم مر جاؤ مگر میں یہی کہتا رہوں گا کہ مجھے تم سے محبت نہیں ہے۔"

"اچھا تو میں مر کر دکھاؤں؟"

وہ کمرے میں چاروں طرف یوں نظریں دوڑانے لگی جیسے مرنے کے لیے کوئی ہتھیار

www.pklibrary.net

تلاش کر رہی ہو پھر وہ تیزی سے چلتی ہوئی کمرے سے باہر چلی گئی۔ صفیہ نے کہا۔

"خس کم جہاں پاک۔ اچھا ہے کہ کہیں جا کر مر جائے۔"

صائمہ نے پریشان ہو کر کہا۔

"مجھے ڈر لگ رہا ہے۔ کہیں وہ سچ مچ جان دینے نہ چلی گئی ہو۔"

توفیق نے کمرے سے جاتے ہوئے کہا۔

اگر اس نے یہاں خودکشی کی تو ہم سب بری طرح پھنس جائیں گے۔ اسے یہاں سے دور بھگانا ہو گا۔"

اس نے معقول بات کہی تھی۔ سب ہی کمرے سے نکل کر اسے تلاش کرنے لگے۔ انہوں نے دوسرے بیڈ روم اور ڈرائنگ روم میں دیکھا پھر کوٹھی سے باہر آ گئے۔ کچن میں کسی نے نہیں دیکھا۔ باہر بھی اسے نہ پا کر انہیں اطمینان ہو گیا کہ وہ ان کی رہائش گاہ سے دور جا کر مرے گی۔"

وہ سب باتیں کرتے ہوئے کوٹھی میں داخل ہوئے۔ پھر ڈرائنگ روم میں آئے وہاں شبانہ کو دیکھتے ہی ان کا اطمینان غارت ہو گیا۔ وہ شرابیوں کے انداز میں ایک صوفے پر نیم دراز تھی اور اس کے ہاتھ میں ایک بوتل تھی' بوتل شراب کی نہیں مٹی کے تیل کی تھی۔ اس نے بوتل کو بلند کرتے ہوئے انور جمال سے کہا۔

"میں آپ کی خواہش کے مطابق مر رہی ہوں۔ آدھی بوتل پی لی ہے۔ آدھی اور پینے سے پہلے آپ ایک بار ان سب کے سامنے ذرا جرات سے کہہ دیں کہ آپ مجھ سے محبت کرتے ہیں۔"

اس کی خودکشی کا اندازہ دیکھ کر سب ہی لرز گئے۔ توفیق نے گھبرا کر کہا۔

"یہ یہاں مرے گی تو ہم سب تھانے میں نظر آئیں گے۔"

وہ بوتل کو منہ سے لگانے جا رہی تھی۔ انور جمال نے آگے بڑھ کر اس کے ہاتھ سے بوتل چھینتے ہوئے کہا۔

"توفیق میاں! فوراً ہی کار گیراج سے نکالیں۔ اسے اسپتال لے جانا ہو گا۔"

توفیق باہر چلا گیا۔ صفیہ نے کہا۔

آپ کیوں اس سے ہمدردی کر رہے ہیں۔ کار میں لے جا کر کہیں چھوڑ آئیے۔ اس

www.pklibrary.net

کے مرنے کے بعد کسی کو بھی پتہ نہیں چلے گا کہ ہمارا اس سے کوئی تعلق تھا۔"

"بکواس مت کرو۔ میں تم سب لوگوں کی خاطر مجبور ہو کر شبانہ سے بے وفائی تو کر سکتا ہوں مگر اس کا قاتل نہیں بن سکتا۔"

وہ اسے بازوؤں میں اٹھا کر لے جانے لگا۔ مٹی کے تیل کی گری سے شبانہ کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ اس نے ادھ کھلی آنکھوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"آپ نے زبان سے نہیں کہا مگر عمل سے ثابت کر دیا ہے کہ آپ کو مجھ سے محبت ہے۔ بس میں جیت گئی۔"

اتنا کہہ کر اس نے اپنا سر بوڑھے محبوب کے شانے پر رکھ دیا پھر بڑی آسودگی سے آنکھیں بند کر لیں۔

طبی امداد بروقت پہنچائی گئی تھی اس لیے وہ مرتے مرتے بچ گئی اور بچنے کے بعد پھر مصیبت بن گئی۔ انور جمال نے جب اسے اسپتال سے لے جانے کی اجازت مانگی تو ڈاکٹر نے کہا "سوری! ابھی نہیں۔ میں ذرا ایک کیس نمٹا کر پولیس انسپکٹر کو کال کروں گا۔ آپ کو یہ بیان دینا ہو گا کہ لڑکی خودکشی کیوں کرنا چاہتی تھی۔"

انور جمال، صفیہ، صائمہ اور توفیق سب ہی بوکھلا گئے۔ صفیہ نے کہا۔

"ڈاکٹر صاحب! ہم شریف لوگ ہیں۔ تھانہ کچہری سے دور ہی رہتے ہیں۔ پلیز آپ مریضہ کو چھٹی دے دیں۔"

"محترمہ میں مجبور ہوں۔ یہ اسپتال والوں کا نہیں، پولیس والوں کا کیس ہے۔ آپ میرا وقت ضائع نہ کریں۔"

وہ سب باری باری خوشامدیں کرتے رہے مگر ڈاکٹر نے ایک نہ سنی توفیق نے وارڈ بوائے کو ایک طرف لے جا کر معلوم کیا کہ ڈاکٹر صاحب کو رشوت دے کر کام چل سکتا ہے یا نہیں؟" وارڈ بوائے نے اپنے کانوں کو ہاتھ لگا کر کہا۔

"ڈاکٹر صاحب بہت سخت آدمی ہیں آپ بھولے سے بھی ان کے سامنے رشوت کا نام نہ لیں۔"

صفیہ نے کہا "پتا نہیں وہ پولیس آفیسر کس مزاج کا ہو گا۔ اگر اس نے بھی رشوت لینے سے انکار کر دیا تو یہ بدنامی عدالت اور اخبارات تک پہنچے گی۔"

www.pklibrary.net

پھر وہ انور جمال سے بولی "اسی دن کے لیے سمجھایا جاتا تھا کہ انسان کو ہوس میں اندھا نہیں ہونا چاہیے۔ آپ کے ایک گناہ کی سزا ہم سب کو مل رہی ہے...."

انور جمال سر جھکا کر اپنے داماد کے سامنے سے گزر گیا۔ اب وہ اتنا نادم تھا کہ وہ خود اپنی صورت نہیں دیکھنا چاہتا تھا۔ زنانہ وارڈ کے قریب سے گزرتے وقت دل نے کہا کہ شبانہ کو ایک نظر دیکھ لوں مگر وہ دل پر جبر کرتا ہوا اسپتال سے باہر آگیا۔ کار اس نے صفیہ وغیرہ کے لیے چھوڑ دی۔ اور ٹیکسی میں بیٹھ کر کوٹھی پر واپس آگیا۔ اب اسپتال میں جو ہوتا ہے وہ ہوتا رہے۔ اس میں اب مزید بدنامی برداشت کرنے کا حوصلہ نہ رہا تھا۔ گھر پہنچتے ہی وہ کاغذ اور قلم لے کر بیٹھ گیا اور لکھنے لگا۔

"صفیہ....! بہت ہو چکا۔ جو نہیں ہونا چاہیے تھا وہ بھی ہو چکا۔ میں یہ شکایت نہیں کروں گا کہ تم نے مجھے گالیاں دیں اور داماد کے سامنے طعنے بھی دیے۔ میں ایسی سزاؤں کا مستحق تھا۔

میں کسی سے فریاد بھی نہیں کر سکتا کہ میرا کاروبار تباہ ہو گیا اور میں گھر سے دفتر اور دفتر سے تھانے کچہری تک بدنام ہونے جا رہا ہوں۔ کیوں کہ تباہی اور بدنامی کے راستے میں نے خود اپنائے ہیں۔

میں مجرم بھی ہوں اور ظالم بھی۔ میں نے شبانہ جیسی معصوم لڑکی پر ظلم کیا ہے۔ اس کی آنکھوں سے کسی نوجوان محبوب کے سپنے نوچ کر اس کے دماغ میں ایک بوڑھے آئیڈیل کو بٹھا دیا۔ یہ بات میری سمجھ میں آگئی ہے کہ جب تک میں زندہ رہوں گا۔ وہ کسی سے شادی نہیں کرے گی۔ مجھے اب اس کے دماغ میں مرجانا ہوگا۔

ایک بار میں نے فیصلہ کیا تھا کہ اس سے شادی کرلوں گا مگر وہ جذباتی فیصلہ تھا۔ مجھے عقل آگئی کہ میری بوڑھی جوانی ایک چراغ سحری ہے۔ کسی وقت بھی بجھ سکتی ہے۔ پھر ایک جوان بیٹی کا باپ ہو کر یہ سوچنا پڑتا ہے کہ کہیں میری دیکھا دیکھی میرا داماد بھی میری بیٹی پر سوکن نہ لے آئے۔ میں کیا بتاؤں کہ ہر طرف سے کیسی کیسی مار کھاتا رہا ہوں۔

ایسی مار کھائی ہے کہ کسی نے نہ کھائی ہوگی۔ بیوی کا اعتماد' بیٹی کی محبت' نواسے اور نواسیوں کا پیار' اپنا گھر' اپنا کاروبار' اپنی عزت اور نیک نامی سب کچھ ہار کر جا رہا ہوں۔ بے شک اس دنیا کی خوب صورتی میں سب کا حصہ ہوتا ہے۔ صرف بوڑھے اس لیے

www.pklibrary.net

حصہ نہیں لے سکتے کہ انہیں ساری عمر کی کمائی ہوئی محبت اور عزت کی پونجی ہارنی پڑتی ہے۔

صفیہ! مجھے تمہاری فکر نہیں ہے۔ کاروبار ختم ہونے کے بعد تمہارے پاس بقیہ زندگی گزارنے کے لیے کافی دولت اور اولاد کی محبت ہوگی۔ اب میں شبانہ کے کام آکر اپنے ضمیر کا بوجھ ہلکا کرنا چاہتا ہوں۔ اب میں ایسی راہ سے گزرنے والا ہوں جہاں سے گزرنے کے بعد شبانہ مجبور ہو کر جوانی کی کڑی دھوپ میں کوئی اور سایہ ڈھونڈ لے گی۔

ہو سکے تو اب مجھے گالیاں نہ دینا۔

تم سب کا مجرم انور جمال۔"

اس نے خط کو مکمل کر کے پلنگ کے سرہانے والی میز پر رکھ دیا پھر گھر کے دروازوں کو بند کرتا ہوا باہر آ گیا۔ باہر ایسی گہری تاریکی تھی جو گناہوں کو اور گناہگاروں کو چھپا لیتی ہے۔ وہ تاریکی میں چھپتا چلا گیا۔

جب بگڑی بننے پر آتی ہے تو بنتی ہی چلی جاتی ہے۔ اسپتال میں شبانہ کا بیان لینے والا پولیس انسپکٹر اتفاق سے توفیق کا دوست نکل آیا۔ لہٰذا خودکشی کے اقدام کا وہ کیس اسپتال سے باہر آتے ہی ختم کر دیا گیا۔ وہ لوگ شبانہ کو لے کر کوٹھی واپس آئے تو انور جمال کے بجائے ایک خط نظر آیا۔ اسے پڑھتے ہی پھر ایک بار کہرام مچ گیا۔ صفیہ رونے اور شبانہ کو گالیاں دینے لگی۔

شبانہ کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ جس کے لیے وہ جان دے رہی تھی۔ وہ خود کہیں جان پر کھیلنے چلا گیا ہے مگر ایک روز تو یقین آنا ہی تھا۔ اس رات وہ سب اسے تلاش کرتے ہوئے کراچی پہنچ گئے۔ دوسرے دن کراچی میں اسے تلاش کیا گیا۔ تیسرے دن اخبارات کے تلاش گم شدہ کے کالم میں اسے پکارا گیا۔ دور دور کے شہروں میں اپنے آدمی بھیجے گئے۔ آخر صفیہ نے دھاڑیں مار مار کر اپنے ہاتھوں کی چوڑیاں توڑ ڈالیں۔

شبانہ کے پاس توڑنے کے لیے چوڑیاں نہیں تھیں لیکن اتنے بڑے المیے سے کچھ تو ٹوٹتا ہے اس لیے اس کا دل ٹوٹ گیا۔ اس نے کھانا پینا چھوڑ دیا تھا۔ وہ راتوں کو بھی جاگتی رہتی تھی۔ اسے یقین نہیں آتا تھا کہ انور ہمیشہ کے لیے گم ہو گیا ہے۔ وہ چھپ چھپ کر صفیہ اور صائمہ کی کوٹھیوں کے چکر لگاتی تھی کہ شاید انور کبھی چھپ کر اپنی بیوی اور بیٹی

www.pklibrary.net

سے ملنے آئے تو وہ اس کے قدموں سے لپٹ جائے گی۔

چھ ماہ بعد اسے یقین کرنا پڑا۔ کیونکہ جہاں انور جمال کا بہت بڑا دفتر تھا۔ اب وہاں دوسرا دفتر کھل گیا تھا۔ جنرل منیجر ایک بار شبانہ سے دھوکا کھا چکا تھا۔ اس نے کہا۔

"میری جان! جو وہ بیچتے تھے دوائے دل وہ دکان اپنی بڑھا گئے۔ کاروبار ختم ہو چکا ہے اور انور صاحب شاید اب اس دنیا میں نہیں ہیں۔ میرے پاس آ جاؤ تم کو میں خوش کر دوں گا۔"

وہ نفرت سے تھوک کر صفیہ کی کوٹھی کی طرف چلی گئی۔ وہ سفید لباس پہنے اپنی کار میں بیٹھنے جا رہی تھی۔ شبانہ کو دیکھ کر اس نے خلاف توقع نرمی سے کہا۔

"شبانہ! اب میں تم سے شکایت نہیں کروں گی۔ جو کچھ ہوتا ہے' اللہ کی مرضی سے ہوتا ہے۔ میں پہلے ایک وقت کی نماز بھی نہیں پڑھتی تھی۔ اب پانچوں وقت کی نماز پڑھتی ہوں' مجھے بڑا سکون ملتا ہے۔ کل صبح کی فلائٹ سے میں حج کرنے جا رہی ہوں۔ جانے سے پہلے میں ایک بار پھر تمہیں نصیحت کرتی ہوں۔ میری نادان بیٹی! اب ضد سے باز آ جاؤ اور شادی کر لو۔ اپنے لیے نہ سہی انور صاحب کی روح کو سکون پہنچانے کے لیے شادی کر لو....."

شبانہ سر جھکا کر گھر واپس آئی تو اماں بی نے روتے ہوئے کہا۔

"کب تک مرنے والے کو تلاش کرتی رہے گی بیٹی! یہ شریف زادیوں کے لچھن نہیں ہیں۔ میں تیری ماں ہو کر تیرے قدموں پر سر رکھتی ہوں۔ خدا کے لیے شادی کے لئے ہاں کر دے...."

اماں بی نے اس کے قدموں پر اپنا سر رکھ دیا۔ وہ جلدی سے پیچھے ہٹ گئی۔ پھر ماں کے گلے لگ کر رونے لگی۔ اس دن کے بعد سے اس کے دل کا بوجھ ہلکا ہو گیا۔ وہ رفتہ رفتہ وقت پر کھانے لگی اور وقت پر سونے لگی۔ پہلے اس فکر میں بھوک مر جاتی تھی کہ انور اس کا ہوتے ہوئے بھی اس کا نہیں ہے اور اس انتظار میں نیند نہیں آتی تھی کہ تھپک کر سلانے والا شاید کسی وقت آ جائے۔ جس چیز کی تمنا ہو اور وہ فنا ہو جائے تو تمنا کرنے والے یا والی کو رفتہ رفتہ صبر آ جاتا ہے۔

شبانہ کے دل و دماغ میں اب بھی بچھڑے ہوئے پیار کی خوشبو تھی مگر صرف یاد

www.pklibrary.net

کرنے کی حد تک تھی۔ جو دکھائی نہ دے، جس کی آواز سنائی نہ دے اور کبھی حاصل نہ ہو سکے اس کی محبت صرف یادوں تک محدود ہو جاتی ہے۔ ایسے وقت دوسروں کی نصیحتیں سمجھ میں بھی آتی ہیں اور اثر بھی کرتی ہیں۔ جوان بیوائیں بھی دل و جان سے چاہنے والے خاوند کے مرنے کے بعد دوسری شادی کر لیتی ہیں اور وہ تو نہ بیوی تھی، نہ بیوہ۔ اپنے مستقبل کے لیے کچھ نہ کچھ تو فیصلہ کرنا ہی تھا۔ یوں بھی زمانہ خراب ہے اگر وہ جوانی کے سکوں کو اپنی پسند سے خرچ نہ کرتی تو کوئی اس بھرے خزانے کو زبردستی اٹھا لے جاتا۔

آخر ایک دن اس نے گھبرا کر کہا۔

"اماں بی! میں تمہاری ہر بات مان لوں گی مگر اب اس شہر میں نہیں رہوں گی۔ ہر دم گھبراہٹ سی ہوتی ہے۔ ہم کسی دوسرے شہر چلے جائیں گے۔"

اماں بی کی پڑوسن بہت دنوں سے اپنے بھائی کے لیے شبانہ کا رشتہ مانگ رہی تھی۔ اس کا بھائی لاہور میں ایک بہت بڑے جنرل اسٹور کا مالک تھا۔ اماں بی نے فوراً ہی بات پکی کر دی اور یہ طے کر لیا کہ شادی لاہور میں ہوگی۔ دو ہفتے بعد ہی ماں بیٹی گھر کا سارا سامان بیچ کر لاہور آ گئیں۔ اماں بی نے ایک کمرے کا مکان کرائے پر لیا اور شادی کی تیاریاں کرنے لگیں۔

شادی کے معنی ہیں خوشی۔ مگر شبانہ کے دل میں کوئی خوشی نہیں تھی۔ اس کو انور جمال کی یہ بات یاد تھی کہ شادی محض ایک دنیاوی رسم ہے۔ اس۔ لیے وہ دنیا میں رہنے کے لیے یہ رسم ادا کر رہی تھی۔ چونکہ اسے خوشی نہیں تھی اس لیے وہ شادی کے کسی کام میں ماں کا ہاتھ نہیں بٹاتی تھی۔ بازار سے کچھ خریدنا ہوتا تو اماں بی سر پر چادر ڈال کر خود ہی نکلتی تھیں۔ ایک روز وہ اچانک ہی بازار میں انور جمال سے ٹکرا گئیں۔

"ارے تم؟" وہ پریشان ہو کر بولیں "تم انور ہو نا؟"

وہ سر جھکا کر بولا "جی ہاں۔"

"وہی کراچی والے انور، یعنی صفیہ کے شوہر ہو۔"

"جی ہاں۔"

"تو تم۔ تم ابھی زندہ ہو؟"

"جی ہاں۔ شبانہ کیسی ہے؟ کیا شادی ہو گئی؟"

www.pklibrary.net

"اگلے جمعے کو شادی ہے مگر تمہیں دیکھے گی تو گھونگھٹ اتار کر پھینک دے گی اور تمہارے پیچھے پھر بھاگنے لگے گی۔"

"اماں بی! آپ ناحق پریشان ہوتی ہیں۔ میرا یہ روپ دیکھ کر اب وہ میرے پاس نہیں آئے گی۔"

"تم نے یہ کیا حلیہ بنا رکھا ہے؟"

وہ ایک سرد آہ بھر کر بولا۔

"میں بہت بزدل ہوں اس لیے خودکشی نہ کر سکا لیکن میرا ضمیر مجھے چین سے بیٹھنے نہیں دیتا۔ ضمیر کے اس بوجھ کو ہلکا کرنے کے لیے ضروری تھا کہ میں خود کو سزا دوں۔ ایسی سزا جو میرے لیے بھی اور دوسروں کے لیے بھی عبرت ناک ہو۔ ایسی سزا جو جوانی کو کاٹ کر بڑھاپے سے الگ کر دے اور آپ دیکھ رہی ہیں کہ میں اس حلئے میں یہ سزا پا رہا ہوں۔"

اماں بی کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ ڈبڈبائی ہوئی آنکھوں کے سامنے وہ دھندلا سا نظر آ رہا تھا۔ صاف طور پر پہچانا بھی نہیں جاتا تھا۔

اگلے جمعہ کو شبانہ دلہن بن کر رخصت ہو گئی۔ دوسرے دن سسرال میں ولیمے کی تقریب تھی۔ کوٹھی دلہن کی طرح سجائی گئی تھی۔ رنگ برنگے قمقمے جل بجھ رہے تھے اور مہمانوں کی تفریح کے لیے ورائٹی پروگرام پیش کیا جا رہا تھا۔ ایک طوائف مجرا پیش کر رہی تھی۔ وہاں جتنے بوڑھے تھے، وہ طوائف کی ایک ایک ادا پر نوٹوں کی بارش کر رہے تھے۔

اس کے بعد نوجوان لڑکے لڑکیاں گٹار اور دف لے کر ناچ گانا پیش کرنے لگے۔ ان میں ایک شخص کے گانے کا انداز بہت مقبول ہو رہا تھا۔ اسے بار بار اسٹیج پر بلایا جا رہا تھا۔ پندرہ برس کی ایک لڑکی اسٹیج کے قریب کھڑی ہوئی تھی۔ شاید اسے اپنی عمر کا اندازہ نہ تھا اس لیے دوپٹے سے بے نیاز تھی۔ وہ دوڑتی ہوئی زنان خانے میں گئی۔ وہاں نئی نویلی دلہن شبانہ ولیمے کا سبز جوڑا پہنے ہوئے بیٹھی تھی۔ لڑکی نے ہانپتے ہوئے کہا۔

"بھابی بھابی! آپ نے بھائی جان کا گانا سنا؟ سب ہی ان کی خوب تعریفیں کر رہے ہیں۔"

"ہاں۔ یہاں تک آواز آ رہی ہے۔"

www.pklibrary.net

"صرف آواز سے کیا ہوتا ہے۔ آپ میرے ساتھ چل کر انہیں دیکھیں۔ کتنے اسٹائل سے گاتے ہیں۔"

وہ شبانہ کا ہاتھ پکڑ کر کھینچنے لگی۔ شبانہ جانا نہیں چاہتی تھی۔ اس کی ساس نے کہا۔

"چلی جاؤ بیٹی! بچی ضد کر رہی ہے۔"

جانے کیسے شبانہ کو وہ رات یاد آگئی جب اس نے صفیہ باجی کے پاس آکر انور جمال کے گانے کی تعریفیں کی تھیں۔ وہ اپنی چھوٹی نند کے ساتھ زنان خانہ سے نکل کر اسٹیج کی طرف جانے لگی۔ اس وقت ہیجڑوں کی ایک ٹولی تالیاں بجاتی وہاں پہنچ گئی۔ ایک ہیجڑے نے تالی بجا کر تال پر کہا۔

"اے حضور شادی مبارک۔ تمہاری خوشی میں ہم بھی ناچیں گے۔"

دوسرے نے کہا "بدھائی دیں گے اور ناچیں گے۔"

تیسرے کہا "بدھائی دیں گے اور دادلیں گے اور ہاں انعام بھی لیں گے۔"

نوجوانوں نے رنگ میں بھنگ پڑتے دیکھ کر انہیں بھگانے کی کوشش کی مگر خسرے ایسی محفلوں میں پہنچ کر کمبل بن جاتے ہیں۔ ٹلنے کا نام نہیں لیتے۔ ایک خسرے نے دوسرے سے کہا۔

"اے انوری بیگم۔ یہ ایسے نہیں مانیں گے۔ آؤ ہم سب مل کر دہائی دیں۔"

مگر انوری بیگم چپ تھی (تھا) وہ یک ٹک شبانہ کو دیکھ رہی تھی (تھا) شبانہ جس نوجوان کے پاس کھڑی تھی۔ وہ اپنا سر کھجا رہا تھا۔

انوری بیگم نے ایک گہری سانس لے کر سوچا "اب میرا سر کبھی نہیں کھجائے گا۔"

اس نے ڈوبتے ہوئے دل سے ڈھولک اٹھا کر اپنے کاندھے سے لٹکائی۔ سر پر دوپٹے کو درست کیا پھر اس محفل سے منہ پھیر کر جانے لگی۔ (جانے لگا)

○☆○